وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ

اعداد
نجیب الرحمٰن کیلانی

وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى

بہترین زادِ راہ

تقویٰ

اعداد

نجیب الرحمٰن کیلانی

مکتبۃ السلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب ———— بہترین زادِراہ۔ تقویٰ

زیر سرپرستی ———— ڈاکٹر حبیب الرحمن کیلانی

اہتمام ———— نجیب الرحمان کیلانی فون:7844157

طبع اوّل ———— ستمبر:2004

تعداد ———— 1100

کمپوزنگ ———— بلال جاوید۔ قاسم گرافکس،

حبیب پارک، منصورہ، لاہور

طابع ———— ڈاکٹر حافظ شفیق الرحمن کیلانی

انجینئر حافظ عتیق الرحمن کیلانی

ناشر: مکتبۃ السلام سٹریٹ نمبر:20، وسن پورہ لاہور

فون: 7844157-7280943

قیمت ———— 45 روپے

ڈسٹری بیوٹر

ہیڈ آفس و مرکزی شوروم 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 711 1023 , 711 0081 , 723 2400 , 724 0024 فیکس: 735 4072

E-mail: darussalampk@hotmail.com Website: www.dar-us-salam.com

شوروم اردو بازار اقرأ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 712 0054 فیکس: 732 0703

آئینہ کتاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

تعلیماتِ اسلام کا خلاصہ اگر ایک لفظ میں بیان کیا جا سکتا ہے تو وہ لفظ ''تقویٰ'' ہے۔ تقویٰ ہی وہ صفت ہے جو تعمیر سیرت میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اسلام کی ہر تعلیم کا مقصد عبادات اور اعمال کے روپ میں اس تقویٰ کی روح کو پیدا کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں 88 بار تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تقویٰ سے مراد وہ خوفِ الٰہی جس کی بنا پر انسان اپنے دامن کو ہر صغیرہ اور کبیرہ گناہ سے اور ہر قسم کی آلودگی سے محفوظ رکھتا ہے۔

علماء نے تقویٰ کے تین درجات بیان کیے ہیں:

ادنیٰ:

ادنیٰ درجے کا تقویٰ وہ ہے جو عذاب جہنم سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

اوسط:

اوسط درجے کا تقویٰ یہ ہے کہ صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کیا جائے اور گناہِ کبائر سے پوری طرح اجتناب کیا جائے۔

اعلیٰ:

اعلیٰ درجے کا تقویٰ یہ ہے کہ انسان مکمل طور پر صفاتِ الٰہیہ کا مظہر بن جائے۔ نیکیوں کی طرف اس کی روح خود بخود مائل رہے اور برائیوں سے اس کی طبیعت کا میلان بالکل ختم ہو جائے۔

تقویٰ کی حد یہ ہے کہ انسان مشکوک چیزوں سے پرہیز کرے۔ ایسا نہ ہو کہ تقویٰ کے زُعم میں حلال اور طیب چیزوں کو بھی اپنے اوپر حرام قرار دے دے۔ اسی چیز کو قرآن میں

رہبانیت کا نام دیا گیا ہے۔ جبکہ رہبانیت کی اسلام میں اجازت نہیں ہے۔

مضمون کی اسی اہمیت کے پیش نظر میں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ بازار میں بھی مجھے اس موضوع پر ایک مختصر سے کتابچے ''تقویٰ کے ثمرات' مترجم عبداللہ رفیق صاحب'' کے علاوہ کوئی چیز نہ مل سکی۔ اس امر کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ جو کچھ اس کتاب میں بیان کیا جائے۔ وہ کتاب اللہ' سنت رسول اور صحیح احادیث سے ثابت ہو۔ کسی مسئلہ میں قرآن وحدیث سے قطعاً تجاوز نہ کیا جائے۔ میں نہ تو کوئی بڑا عالم ہوں اور نہ ہی کوئی متقی انسان۔ مگر گناہوں سے بچنے اور نیک کاموں کی طرف رغبت ضرور رکھتا ہوں۔ الدین النصیحة کے تحت دوسروں کو بھی اس بات کی ترغیب دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ ورنہ من آنم کہ من دانم۔

اس کتاب میں اگر کوئی خوبی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جو اس میں خامیاں ہیں وہ یقیناً میری طرف سے ہیں۔ قارئین سے استدعا ہے کہ اس کی غلطیوں کی طرف ضرور نشان دہی کریں۔ محترمہ پروفیسر ثریا بتول علوی صاحبہ کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے کتاب کے مسودہ کو دیکھا اور کہیں کہیں اصلاح فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ہمارے لیے صدقہ جاریہ بنائے اور ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

محترم امیر حمزہ صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ ان کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور ان کی عمر میں برکت عطا کرے۔ انہوں نے میری درخواست پر اپنی شب و روز کی مصروفیات سے وقت نکال کر اس کتاب کے لیے اپنے تاثرات تحریر کیے اور اپنی طرف سے نیک خواہشات کا اظہار کیا۔

أُحِبُّ الصَّالِحِينَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ
لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِي صَلَاحاً

طالبِ دعا

نجیب الرحمٰن کیلانی

جامع مسجد الایمان' شاہ فرید آباد' ملتان روڈ' لاہور۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

مولانا امیر حمزہ صاحب
چیف ایڈیٹر ہفت روزہ ''غزوہ'' لاہور۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب کا آغاز ہی اس حقیقت سے کیا کہ یہ کتاب پرہیز گاروں کے لیے باعثِ ہدایت ہے۔تقویٰ یعنی پرہیز گاری کا مقام اور مرکز انسان کے جسم میں کہاں ہے اس کے بارے میں جناب رسولِ کریم ﷺ نے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا!

(التقوٰی ھٰھنا)

''تقویٰ یہاں ہے۔''

یعنی تقویٰ کا مقام دل ہے۔رسولِ کریم ﷺ نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ جسم کا یہ ٹکرا اگر ٹھیک ہو تو سارا جسم ٹھیک رہتا ہے اور اگر اس میں بگاڑ آ جائے تو سارا جسم بگڑ جائے گا۔

اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ معاشرے کے ہر انسان اور ہر فرد کی ذات کی اصلاح چاہتا ہے۔اور فرد ہی سے معاشرہ بنتا ہے جب فرد ٹھیک ہو جاتا ہے تو وہ معاشرہ خود بخود ٹھیک ہو جاتا ہے۔اور فرد کی اصلاح دل سے ہوتی ہے۔چنانچہ اسلام دل کی اصلاح پر زور دیتا ہے۔

پروفیسر نجیب الرحمٰن کیلانی نے موجودہ پُرفتن دور میں اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور کتاب وسنت کی روشنی میں تقویٰ پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ یہ کتاب اس دور کی ایک ضرورت ہے جسے پروفیسر صاحب نے بڑے احسن انداز سے پورا کیا ہے۔

پروفیسر نجیب الرحمان کیلانی اس عظیم شخصیت کے فرزند ارجمند ہیں جنھوں نے موجودہ دور میں قرآن کی تفسیر لکھی۔ میری مراد حضرت مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

مولانا کیلانیؒ نے ساری عمر قلم کے ساتھ دین کی خدمت کی۔اور جب افغانستان میں روس نے مداخلت کی تو حضرت مولانا پیرانہ سالی کے باوجود ہم جوانوں کے ہمراہ نورستان کی برف پوش چوٹیاں عبور کرتے ہوئے افغانستان پہنچے۔ان کے بیٹے نجیب الرحمٰن کیلانی ان کے ہمراہ تھے جو باپ کی خدمت کے لیے عازم سفر ہوئے تھے۔حقیقت یہ ہے کہ ایسے پر عظمت سفر وہی شخص کرسکتا ہے جو تقویٰ کی معراج پر پہنچا ہو۔مولانا کیلانی ایسے متقی انسان تھے کہ وہ سجدہ میں گئے تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے رب کریم کے پاس چلے گئے۔اس عظیم شخصیت کے فرزند ارجمند نے اس کتاب کو جو لکھا تو حقیقت یہ ہے کہ مجھے وہی منظر دکھائی دیا ہے جو تقویٰ کے بارے میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا تھا۔آپ نے تقویٰ کی وضاحت کرتے ہوئے کسی شخص کو نصیحت کی تھی کہ تو جنگل کی پگڈنڈی پہ چل رہا ہو اور ارد گرد خاردار جھاڑیاں ہوں تو ان جھاڑیوں سے اپنا دامن بچا کر سمٹ سمٹا کر کامیابی سے گزر جا۔یہی تقویٰ ہے۔چنانچہ اس کتاب کو جو بھی پڑھے گا وہ اگر عامل ہو جائے تو اس دنیا کے فتنوں سے اپنے آپ کو بچا لے گا (ان شاء اللہ) اللہ تعالیٰ موصوف کی محنت کو قبول فرمائے۔(آمین)

باب:1

تقویٰ کی تعریف

الٓمّٓ ○ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَارَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ○ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ○ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (البقرۃ:1تا5)

”الف لام میم ○ یہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ یہ متقین کے لیے ہدایت ہے۔ وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں اور جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ وہ ایمان لاتے ہیں جو آپ ﷺ کی طرف نازل کیا گیا ہے اور جو آپ ﷺ سے قبل نازل کیا اور آخرت کے ساتھ وہ یقین رکھتے ہیں۔ وہ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔“

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے متقیوں اور پرہیز گاروں کی بڑی تعریف فرمائی ہے کہ وہی لوگ نجات اور فلاح پانے والے ہیں۔ تقویٰ کا لفظ قرآن میں اکثر جگہ استعمال ہوا ہے۔ اس کی قرآن و حدیث میں بہت تاکید کی گئی ہے۔ نبی ﷺ اپنے خطبات میں تقویٰ کی مندرجہ ذیل تین آیات ضرور تلاوت فرماتے تھے۔ جن سے تقویٰ کی غایت درجہ اہمیت واضح ہوتی ہے۔

(۱) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ (آل عمران:102)	(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔)

(۲) يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْراً وَّنِسَاءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا○ (النساء:۱)

(اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا۔ پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد وعورت (پیدا کر کے زمین پر) پھیلا دیئے۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم سوال کرتے ہو۔ اور قطع رحمی سے بچو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔)

(۳) يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِيْدًا○ يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا○ (الاحزاب:۷۰،۷۱)

(اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سیدھی سیدھی سچی بات کرو۔ تاکہ اللہ تمہارے کام سنوار دے اور تمہارے گناہ معاف فرما دے۔ اور جو بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گا تو اس نے بڑی کامیابی حاصل کر لی۔)

تقویٰ کے معنی بچنے کے ہیں اور متقی کے معنی گناہوں سے بچنے والے کے ہیں۔ عربی گرائمر کے لحاظ سے تقویٰ کی اصل و ق ی ہے۔ اس سے فعل ماضی واحد مذکر غائب کا صیغہ وقی اور فعل مضارع واحد مذکر غائب کا صیغہ یقی آتا ہے۔ جبکہ فعل امر واحد مذکر حاضر کے لیے صرف قِ آتا ہے۔

تقویٰ کے مختلف مفہوم:

❁ اتَّقٰی۔ تقویٰ بمعنی اپنے اعمال کے انجام سے ڈرنا۔ گناہوں کو چھوڑنے اور نیکی کے کام کرنے پر طبیعت کا مائل ہونا۔ اللہ کے خوف سے اس اس کے اوامر و نواہی کا خیال رکھنا۔ (منجد) اس کے معنی اپنے گناہوں کے انجام سے ڈر کر ان سے بچنے کی کوشش کرنا۔ پرہیز گاری اختیار کرنا۔ ارشادِ باری ہے:

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيَاتِهٖ لِلنَّاسِ

(اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات واضح کرتے ہیں

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ○ (البقرۃ:۱۸۷) لوگوں کے لیے تا کہ وہ پرہیز گاری اختیار کریں۔ ڈریں۔بچیں۔

❁ وقی . اتّقٰی کے معنی برے کام کے انجام سے ڈر کران برے کاموں اوران کے عقوبت سے بچانا۔(مفردات القرآن)ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم:۶) اے ایمان والو! اپنے آپ کواوراپنے گھر والوں کو آتش جہنم سے بچاؤ۔

❁ اتّقٰی۔کسی برے کام سے بچنے کے لیے برے کام اوراس کی سزا سے بچنا۔ پرہیز گاری اختیار کرنا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ (البقرہ:۶۳). جوہم نے تمہیں دیا ہے اس کومضبوطی سے پکڑو اور جو کچھ اس میں ہے اس سے نصیحت حاصل کرو۔ تا کہ تم متقی بن جاؤ۔

ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا کعب احبار رضی اللہ عنہ سے تقویٰ کے بارے پوچھا۔کعب احبار رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔کیا کبھی تمہارا کسی خاردار راستے سے گزر ہوا ہے۔انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ کہنے لگے پھر کیسے گزرتے ہو۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں اپنے کپڑے سمیٹ کر گزرتا ہوں کہ کہیں کوئی کانٹا میرے دامن میں الجھ کر کپڑوں کو تارتار نہ کر دے۔سیدنا کعب رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ یہی تقویٰ ہے کہ انسان اپنی زندگی کو ہر قسم کے گناہوں اور نافرمانیوں سے بچ کر گزارے۔

ایک عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

خَلِّ الذُّنُوْبَ صَغِيْرَهَا وَكَبِيْرَهَا ذَاكَ التُّقٰى
وَاصْنَعْ كَمَاشٍ فَوْقَ اَرْضِ الشَّوْكِ يَحْذَرُ مَا يَرٰى
لَا تَحْقِرَنَّ صَغِيْرَةً اِنَّ الْجِبَالَ مِنَ الْحَصٰى

یعنی ہر چھوٹے اور بڑے گناہ کو چھوڑ دو۔یہی تقویٰ ہے۔ایسے رہو جیسے کانٹوں

والی راہ پر چلنے والا انسان کانٹوں سے ڈرتا ہے۔ چھوٹے گناہ کو بھی ہلکا نہ جانو۔
دیکھو پہاڑ کنکریوں سے ہی بنتے ہیں۔"

تقویٰ کے اصل معنی نفس کو ہر اس چیز سے بچانا ہے جس سے نقصان کا اندیشہ ہو۔ کبھی کبھی یہ لفظ خوف کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ شرعی اصطلاح میں نفس کو ہر اس چیز سے بچانا ہے جو گناہ کا سبب بنے۔

تقویٰ ایک شعور اور جذبے کا نام ہے جس میں انسان کسی بھی گناہ حتیٰ کے شک و شبہ والی چیز کے قریب بھی نہیں پھٹکتا۔ اگر غلطی سے وہ کوئی ایسا کام کر لیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے بار بار توبہ و استغفار کرتا رہتا ہے۔

ماحصل: تقویٰ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کر کے اور گناہوں سے اجتناب کر کے اللہ کے غصے اور ناراضگی سے بچنا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

(التقوٰی ھٰھُنا و اَشارَ اِلٰی صَدْرِہٖ) (مسلم)

"آپ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہے۔"

جیسے احادیث میں سیدنا ماعز رضی اللہ عنہ بن مالک اسلمی اور غامدی عورت کا واقعہ مذکور ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

(الحلال بیّن والحرام بیّن و بینھما مشتبھات لا یعلمھا کثیر من الناس. فَمَنِ اتّقی الشبھات استبرأ دینہ وعرضہ ومن وقع فی الشبھات کراعٍ یرعی حول الحِمٰی یُوْشِکُ ان یواقعہ اَلاَ وَاِنَّ لِکُلِّ ملکٍ حمی اَلاَ وَاِنَّ حِمَی اللّٰہِ مَحَارِمُہٗ اَلاَ وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ

"حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے۔ اس حلال و حرام کے بیچ کچھ شبہ والی چیزیں ہیں۔ جن کو بہت سے لوگ جانتے نہیں کہ وہ حلال ہے یا حرام۔ جو شک اور شبہ والی چیزوں سے بچا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا۔ جو ان شبہ والی چیزوں میں پڑ گیا۔ اس کی مثال اس چرواہے جیسی ہے۔ جو شاہی چراگاہ کے پاس اپنے جانور کو چرائے۔ قریب ہے کہ کوئی جانور اس میں گھس جائے۔ خبردار! ہر بادشاہ کی ایک مخصوص چراگاہ ہے۔

مُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ اَلاَ وَهِيَ الْقَلْبُ.)

(بخاری۔کتاب البیوع۔مسلم۔ترمذی)

(جس میں دوسروں کے جانور چرنے کی اجازت نہیں۔) سن لو! اللہ تعالیٰ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔خبردار! جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔جب وہ درست رہاتو سارا جسم درست رہا۔ جب وہ خراب ہو گیا تو سارا جسم خراب ہو گیا۔سن لو! وہ دل ہے۔"

ارشادِ ربانی ہے:

﴿تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ (البقرہ:۱۸۷)

"یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ان کے قریب مت جاؤ۔ اس طرح اللہ لوگوں کیا اپنی آیات بیان کرتے ہیں۔تا کہ وہ (گناہ سے) بچ جائیں۔"

یعنی دل میں تقویٰ اور ڈر ہونا چاہیے۔جو اللہ کے خوف سے حرام اور شک والی چیزوں کو چھوڑ دے تو وہ صالح انسان ہے۔اگر بے خوف ہو کر حرام اور شبہ والی چیزوں کو بھی استعمال کرتا رہے تو آخرت کی کامیابی ممکن نہیں ہے۔اصل تقویٰ یہ ہے کہ انسان شک وشبہ والی چیزوں کو بھی چھوڑ دے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(دَعْ مَايُرِيْبُكَ اِلٰى مَالَا يُرِيْبُكَ) (ترمذی)

"شک والی چیزوں کو چھوڑ کر وہ کام کر جس میں شک وشبہ نہ ہو۔"

لہٰذا جو چیز واضح طور پر حلال ہے اس کو ہی اختیار کرنا چاہیے۔جو چیز واضح طور پر حرام ہے اس کو غیر اضطراری حالت میں اختیار کرنے کی رخصت نہیں ہے۔علاوہ ازیں واضح حلال اور واضح حرام کے درمیان ایک دائرہ مشتبہات کا بھی ہے ایسے امور میں لوگ التباس محسوس کرتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کبھی تو دلائل ہی غیر واضح ہوتے ہیں۔اور کبھی نص کو پیش آمدہ واقعہ پر منطبق کرنا سخت الجھن کا باعث بن جاتا ہے۔اس قسم کے مشتبہ امور سے بچنے کا نام ہی تقویٰ ہے۔یہی انسان کی صحیح انداز میں تربیت کرتا ہے۔ورنہ اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ آدمی مشتبہات میں پڑ کر حرام کا ارتکاب نہ کر بیٹھے۔

فی زمانہ ٹیلی ویژن کی مثال لے لیجیے۔ لوگ اسے آج کے وقت کی اہم ضرورت سمجھ کر خریدتے ہیں کہ اس سے تمام دنیا بالخصوص ملکی حالات کے بارے آگاہی ہوتی رہتی ہے۔ کوئی اس کو تفریح کی خاطر خریدتا ہے کہ جب جسمانی محنت یا دماغی کام کی وجہ سے تھکن ہو جائے تو اس کو دیکھنے سے فرحت کا احساس ہوتا ہے۔ دینی ذہن رکھنے والے لوگ اس لیے خریدتے ہیں کہ اس میں بڑے بڑے علمائے کرام کے درس' مذاکرے اور رمضان المبارک میں تراویح وغیرہ کے پروگرام آتے ہیں۔ مگر دوسری طرف اس کے گندے ڈرامے' موسیقی' عورتوں' مردوں کی مخلوط مجالس ہمارے قلب وذہن پر جو برے اثرات ڈالتے ہیں۔ ان کی طرف ہمارا دھیان ہی نہیں جاتا۔

ٹی وی ہمارے بچوں کو کس بری طرح متاثر کرتا ہے۔ اس کی مثال ایک شادی کے موقع پر دیکھنے میں آئی۔ خطبہ نکاح شروع ہوا' مبارک مبارک کی صدائیں آئیں۔ انڈین فلموں کی پیداوار ایک بچہ اپنے باپ سے پوچھنے لگا۔ پاپا! نکاح ہوگیا؟ ہاں بیٹے نکاح تو ہوگیا۔ باپ نے جواب دیا۔ بچہ بولا پاپا! دولہا اور دلہن نے ابھی پھیرے تو لگائے نہیں (بشکریہ ماہ نامہ "علم و آگہی") اس لیے بعض لوگ اسے گھر میں رکھنا درست نہیں سمجھتے اور اس کے برعکس کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کے بغیر گزارا ہی نہیں۔ جس چیز کے بارے میں شک ہو کہ وہ جائز ہے یا ناجائز تو ہمیشہ اس کے ناجائز پہلو ہی کو ترجیح دینا چاہیے۔ کیونکہ اس کو گھر میں نہ رکھنے سے کوئی گناہ یا نقصان نہیں ہوگا چاہے وہ جائز ہی ہو۔ لیکن اس کو دیکھنا اگر ناجائز ہے تو گناہ لازماً ہوگا۔ جو اللہ کا خوف رکھنے والا ہوگا اس کے دل میں تقویٰ ہوگا تو کبھی اس کے قریب بھی نہ پھٹکے گا۔

اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾

(البقرہ:۲۱۹)

"وہ آپ ﷺ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ ﷺ ان سے کہہ دیں کہ ان دونوں کاموں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں۔ ان کا گناہ ان کے فائدے کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔"

یہ بات محتاج بیان نہیں کہ شراب اور جوئے کے کتنے مضر اثرات انسان کے عقل و جسم اور اس کے دین و دنیا پر پڑتے ہیں۔ایک خاندان کے لیے وہ کیا کیا تباہیاں لاتے ہیں۔یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قوم اور سماج کی مادی' اخلاقی اور روحانی زندگی کے لیے یہ کس قدر خطرناک کام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شراب اور جوئے کا فائدہ بھی ہے اور نقصان فائدے سے زیادہ ہے۔ جہاں فائدہ سے نقصان زیادہ ہو تو اس کو چھوڑنا بہت ضروری ہے وگرنہ فوائد کو حاصل کرتے کرتے نقصان میں جا پڑنا یقینی امر ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"بندہ اس وقت تک متقین کا درجہ حاصل نہیں کر سکتا جب تک جس کام میں کوئی شبہ ہو اسے چھوڑ نہ دے اور اس کام سے ڈرے جس کام میں برائی ہو۔" (ابن ماجہ)

اپنے دل میں اللہ کا تقویٰ پیدا کرنا انتہائی ضروری ہے کیونکہ وہی اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔دل میں اسی کی عظمت و کبریائی ہو۔

عزت کا معیار:

دنیا میں عزت کے لیے مختلف پیمانے اور معیار مقرر کیے جاتے ہیں۔عام طور پر دولت' حکومت' حسب نسب' خاندانی وجاہت اور جاہ و حشمت کو عزت کا معیار گردانا جاتا ہے جس کے پاس وسیع و عریض کوٹھی' لمبی کار اور بڑا بنک بیلنس ہو وہ معزز سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت کا معیار صرف اور صرف تقویٰ ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ﴾ "بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔" (الحجرات:۱۳)

اس آیت میں یہ سنہری' ابدی اور آفاقی اصول بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز شخص وہ ہے جو اللہ سے ڈرنے والا اور پرہیزگار ہے۔سیاق و سباق کے لحاظ سے یہ آیت کا ٹکڑا اس مقام پر بیان ہوا ہے جہاں مسلمانوں کو عیب جوئی اور طعن و تشنیع سے منع کیا گیا ہے۔یہ عام مشاہدہ ہے کہ آدمی برائیوں اور ظلم و ستم کا ارتکاب اس وقت کرتا

ہے۔ جب وہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتا اور دوسروں کو حقیر خیال کرتا ہے۔ اس موقعہ پر ارشادِ ربانی کا مقصد ہے کہ انسان کا چھوٹا بڑا یا معزز یا حقیر ہونا ذات پات' خاندان ونسب' دولت واقتدار کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ قرآن کی رو سے جو شخص جس قدر نیک خصلت' مودب اور پرہیزگار ہو۔ اس قدر اللہ کے ہاں معزز ومحترم ہے۔ دولت واقتدار آنی جانی چیز ہے۔ حسب ونسب کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ سب انسان آدم وحوا کی اولاد ہیں۔ اسلام بنی نوع انسانی کی مساوات کا علم بردار ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

(اَلا لاَفضل لِعَرَبِیٍ عَلٰی اَعْجَمِیٍّ وَلاَ لعجمی علی عربی ولا لاحمرَ علی اسودٍ ولا لِاَسْوَدٍ علٰی احمر اِلا بالتقویٰ.) (مسند احمد)

''خبردار! کسی عربی کو عجمی پر' کسی عجمی کو کسی عربی پر کسی سرخ کو کالے پر اور کسی کالے کو سرخ پر کوئی فضلیت نہیں۔ مگر تقویٰ کے ساتھ۔''

کسی عربی کو عجمی پر' عجمی کو عربی پر' گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضلیت نہیں۔ فضلیت کا معیار صرف خوفِ خدا ہے۔ تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ ایک غلام اور افریقہ کے حبشی تھے۔ کالا سیاہ رنگ اور موٹے موٹے ہونٹ۔ دنیاوی لحاظ سے انہیں کوئی عزت حاصل نہ تھی۔ لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک ان کا مرتبہ بہت زیادہ تھا۔ یہاں تک کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے بلند شان صحابی انہیں ''آقا'' کہہ کر پکارتے تھے۔ انہیں وہ مقام حاصل ہوا جو دنیا کے بڑے بڑے شہنشاہ کو بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔

ع اقبال کس کے عشق کا یہ فیضِ عام ہے
رومی فنا ہوا' حبشی کو دوام ہے

بلال رضی اللہ عنہ کی یہ عزت کیوں نہ ہو۔ بلال رضی اللہ عنہ وہ ہیں جن کے چلنے کی آواز نبی اکرم ﷺ نے جنت میں سنی۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے نمازِ فجر

کے وقت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ اے بلال رضی اللہ عنہ! میرے سامنے اپنا وہ عمل بیان کر جو تو نے اسلام میں کیا اور جس پر تجھے ثواب کی بہت زیادہ امید ہے۔ کیونکہ میں نے اپنے آگے جنت میں تیری جوتیوں کی آواز سنی ہے۔ بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ میرے نزدیک جس عمل پر مجھے (ثواب کی) بہت زیادہ امید ہے وہ یہ ہے کہ میں نے رات یا دن میں جب بھی وضو کیا تو اس وضو کے ساتھ جس قدر نفل نماز میرے مقدر میں تھی ضرور پڑھی۔ (بخاری' کتاب التہجد' مسلم۔ باب من فضائل بلال) اس سے مراد ہر وضو کے بعد دو رکعت نفل نماز یعنی تحیۃ الوضوء ہے۔

اس کے مقابلے میں ابولہب' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا' ابوجہل اور دوسرے قریبی رشتہ دار تھے۔ ان کے پاس مال و دولت کی کمی نہ تھی۔ انہیں حکومت و اقتدار بھی حاصل تھا۔ وہ بڑے با اثر اور معزز کہلاتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی ذرا بھی قدر و منزلت نہ تھی۔ چنانچہ دنیا میں ان کا عبرتناک انجام ہوا اور آخرت میں بھی ذلت و رسوائی ان کا مقدر ہوگی۔ جس کے اعمال اچھے نہ ہوں۔ خوف خدا نہ ہو تو وہ خائب و خاسر ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کا ذکر کیا جس کے اعمال غیر صالح تھے۔ سیدنا نوح علیہ السلام اور سیدنا لوط علیہ السلام کی بیویوں کا تذکرہ کیا جنہوں نے رب کی اور رسول کی نافرمانی کی۔ یہ دونوں عورتیں دو نبیوں کے نکاح میں تھیں۔ ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والی تھیں۔ مگر ایمان اور عمل صالح نہ ہونے کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوئیں۔ اس کے برعکس خوف خدا رکھنے والی ایک بزرگ عورت آسیہ زوجہ فرعون جنت الفردوس میں داخل ہوئیں۔ سچ ہے اللہ تعالیٰ شکل و صورت اور مال و دولت کو نہیں دیکھتا بلکہ تقویٰ اور عمل صالح کو ہی دیکھتا ہے۔ جو بھی ان خوبیوں سے متصف ہوگا وہی خدا کے ہاں عزت والا اور محبوب ہے۔

انسان جھوٹی اور مصنوعی عزت حاصل کرنے کے لیے طرح طرح کے جائز و ناجائز حربے اور ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے۔ لیکن آخر کار ذلت و رسوائی سے دوچار ہو کر رہتا ہے۔ وقتی طور پر وہ کچھ مفادات حاصل کر لیتا ہے لیکن اصل حقیقت بہت جلد بے نقاب ہو

جاتی ہے اور اس شخص کی جھوٹی عزت خاک میں مل کر رہ جاتی ہے۔ حقیقی عزت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿وللّٰہ العِزَّۃُ ولرَسولِہ وللمُؤمنین﴾ (بے شک عزت اللہ اس کے رسول اور مومنوں کے لیے ہے۔) (المنافقون:۸)

تقویٰ کی چند مثالیں:

(۱) نبی اکرم ﷺ ایک گری ہوئی کھجور کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

(لَوْلَا اِنِّی اَخَافُ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الصَّدَقَۃِ لَاَکَلْتُھَا) (اگر مجھے اس کے صدقے میں سے ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں یقیناً اس کو کھالیتا۔)

(بخاری۔ کتاب اللقطہ۔ مسلم۔ کتاب الزکوٰۃ)

(۲) سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ حد درجہ کے متقی انسان تھے۔ اپنے دورِ خلافت میں مسلمانوں کے بیت المال سے وظیفہ لیتے تھے۔ اپنی آخری وصیت میں فرمایا۔ میں نے اب تک جو رقم حاصل کی ہے ساری واپس جمع کرا دو۔ ایسا نہ ہو کہ میں نے جتنی تنخواہ لی ہے اتنا حق ادا نہ کیا ہو۔ ان کا ایک غلام مزدوری کر کے لاتا تھا۔ اپنی مقررہ آمدنی میں سے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھی کبھی کھانے کے لیے دیتا تھا۔ ایک دفعہ وہ کما کر لایا تو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس میں سے کچھ کھا لیا۔ غلام نے عرض کیا۔ کیا آپ رضی اللہ عنہ جانتے ہیں کہ یہ کیا ہے اور کیسا ہے؟ جو آپ رضی اللہ عنہ نے تناول فرمایا۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کیسا ہے؟ کہنے لگا میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک شخص سے جھوٹ موٹ کی کہانت کی تھی۔ آج اس نے میری کہانت (نجومیوں کی طرح باتیں بتانا) کی مزدوری دی ہے۔ یہ وہی ہے جو آپ رضی اللہ عنہ نے کھایا ہے۔ یہ سن کر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کھایا تھا۔ منہ میں ہاتھ ڈال کر قے کر دی۔ (بخاری)

(۳) سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم ﷺ کے سفر و حضر کے ساتھی تھے۔ قبر میں بھی ساتھ ہیں اور جنت میں بھی ساتھ ہوں گے۔ انبیاء کے بعد اگر سب سے زیادہ کسی کا مرتبہ ہے تو وہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اتنی فضیلت کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ اللہ سے بہت

زیادہ ڈرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے۔ کاش میں ایک درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا۔ کبھی فرماتے۔ اے کاش! میں سبزہ ہوتا اور چار پائے مجھے چر لیتے۔ ایک روز درخت کے سائے میں ایک چڑیا کو اچھلتے کودتے دیکھا تو ٹھنڈی سانس بھر کر فرمایا۔ اے چڑیا! تو کس قدر خوش نصیب ہے۔ درختوں کے پھل کھاتی ہے اور ٹھنڈی چھاؤں میں رہتی ہے۔ پھر موت کے بعد تو وہاں جائے گی جہاں تجھ سے کچھ باز پرس نہ ہوگی۔

سیدنا ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ مجھ میں اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ میں کچھ تکرار ہوگئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے سخت الفاظ کہہ دیئے جو مجھے ناگوار گزرے۔ کچھ دیر بعد فرمانے لگے۔ ربیعہ رضی اللہ عنہ! تو بھی مجھے ویسا ہی کہہ لے تاکہ بدلہ ہو جائے۔ میں نے انکار کیا تو فرمانے لگے۔ کہہ لو ورنہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کر دوں گا۔ میں نے پھر انکار کر دیا تو اٹھ کر چلے گئے۔ اسی اثنا میں بنو اسلم کے کچھ لوگ آ گئے اور کہنے لگے یہ بڑی عجیب بات ہے۔ خود ہی زیادتی کی اور خود ہی شکایت کرتے ہیں۔ میں نے بنو اسلم کے لوگوں سے کہا۔ جانتے ہو یہ کون ہیں؟ یہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اگر یہ ناراض ہو گئے تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ناراض ہو جائیں گے۔ اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں گے تو ایسے میں کیا ربیعہ نہ ہلاک ہو جائے گا۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ دنیا میں ہی کہے سنے کا حساب چکانا چاہتے تھے۔ تاکہ قیامت کے دن باز پرس نہ ہو۔ یہ تھا اس ہستی کا خوف خدا جس کے بارے میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت میں فرمایا تھا۔ میں سب کے احسانات کا بدلہ دے چکا ہوں۔ لیکن صدیق رضی اللہ عنہ کے احسانات کا بدلہ دنیا میں نہیں دے سکا۔ اس کے احسانات کا بدلہ اللہ تعالیٰ ہی عطا کریں گے۔

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ پر بھی خشیت الٰہی کا یہ اثر تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے کاش میں ایک درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا۔

مفسر قرآن سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے اس قدر روتے کہ آنسوؤں کے ہر وقت بہنے سے دو نالیاں سی بن گئی تھیں۔

(۴) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا گیا تو

عجیب مزیدار پایا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ صدقے کے اونٹوں کا دودھ ہے۔ یہ سن کر منہ میں ہاتھ ڈال کر قے کر دیا۔

(۵) ایک دفعہ بحرین سے مالِ غنیمت میں مشک اور عنبر آیا۔ اسے تقسیم کرنے کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ایک ایسے شخص کی تلاش ہوئی جو نہایت احتیاط کے ساتھ وزن کر سکے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی بیوی نے کہا۔ میں نہایت خوش اسلوبی سے اس کام کو انجام دے سکتی ہوں۔ فرمایا! میں تجھ سے یہ کام نہ لوں گا۔ مجھے ڈر ہے کہ مشک تمہاری انگلیوں میں لگ جائے گا۔ پھر تم اپنے جسم پر ملوگی اور اس کا جواب دہ میں ہوں گا۔

(۶) ایک دفعہ سیدنا عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ میں شکاری کتوں سے شکار کرتا ہوں۔ کبھی کبھار میرے کتے کے ساتھ دوسرا کتا بھی شریک ہو جاتا ہے وہ شکار کو مار ڈالتے ہیں۔ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کس کتے نے شکار کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو تیرے شکاری کتے کا کیا ہوا شکار ہو اور بسم اللہ کہہ کر وہ کتا چھوڑا گیا ہو۔ اس کا کیا ہوا شکار حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔ جب دونوں کتوں نے مل کر شکار کیا اور وہ شکار مر گیا تو تم اس کو مت کھاؤ۔ کیونکہ تمہیں خبر نہیں کہ کس نے شکار کیا ہے۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

(لَا تَاکُلْ اِنَّمَا سَمَّیْتَ عَلٰی کَلْبِکَ وَلَمْ تُسَمِّ عَلَی الْاٰخَرِ.) (اسے نہ کھاؤ کیونکہ تم نے اپنے کتے پر تو اللہ کا نام لیا ہے جبکہ دوسرے کتے پر اللہ کا نام نہیں لیا۔)

(بخاری۔ کتاب البیوع)

(۷) سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کے لیے سیدنا ابو درداء کی بیٹی درداء کا رشتہ طلب کیا۔ ابو درداء نے انکار کر دیا اور ایک عام مسلمان سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا جس کی دینی حالت آپ کو پسند تھی۔ لوگوں نے ابو درداء سے سوال کیا آپ رضی اللہ عنہ نے کیوں انکار کیا۔ تو کہنے لگے کہ میں اپنی بیٹی کے معاملے میں مناسب فیصلہ کرنے میں آزاد ہوں۔ ذرا آپ ہی بتائیں جب میری بیٹی ایسے محلات میں ہوگی جہاں موتیوں کی جگمگاہٹ نظروں کو خیرہ کرتی ہوگی اور کنیزیں ہر وقت خدمت کے لیے موجود ہوں گی تو پھر اس کی دینی حالت کا

کیا حشر ہوگا؟

(۸) سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بارے تاریخ میں ملتا ہے کہ وہ جب تک سرکاری کام میں مشغول ہوتے تو سرکاری چراغ جلاتے۔ جب وہ اپنا کوئی ذاتی کام کرتے تو فوراً سرکاری چراغ بجھا دیتے۔ احیاء العلوم میں حکایت درج ہے کہ حضرت علی بن معبد فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ کرائے کے مکان میں رہتا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے خط لکھا اور چاہا کہ دیوار کی مٹی لے کر اس کو خشک کرلوں پھر سوچا کہ دیوار میری ملکیت نہیں پھر خیال کیا کہ دیوار سے اتنی مٹی لینے میں کیا حرج ہے۔ لہٰذا تھوڑی سی مٹی کھرچ کر میں نے اس تحریر پر ڈال لی۔ رات کو میں نے خواب دیکھا کہ ایک صاحب فرما رہے ہیں کہ قیامت کے دن معلوم ہو جائے گا کہ ذرا سی مٹی میں کیا حرج ہے؟

ایسے ہی لوگ آخرت میں کامیاب ہوں گے جو حرام سے بچنے والے اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے والے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۝﴾ (جس نے تقویٰ اختیار کیا اور اصلاح کی تو ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔)

(الاعراف:۳۵)

(۹) ہمارے دادا مرحوم نورِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی حافظ عبدالحیٔ رحمۃ اللہ علیہ حافظ قرآن تھے۔ متقی اور صالح بزرگ تھے۔ نوے سال کے لگ بھگ عمر پائی۔ ساری عمر کتاب وسنت کی دعوت اور تبلیغ میں بسر کی۔ رزق حلال کا اس قدر خیال رکھتے کہ ایک دفعہ لاہور سے اپنے گاؤں منڈی وار برٹن ضلع شیخوپورہ آرہے تھے جیب میں پیسے نہیں تھے۔ ٹرین میں بیٹھ کر منڈی وار برٹن پہنچ گئے۔ سٹیشن پر ہی کسی سے پیسے ادھار لیے اور منڈی وار برٹن سے لاہور کا ٹکٹ خرید کر پھاڑ دیا تاکہ حکومت کے خزانے میں رقم جمع ہو جائے۔ قرآن مجید کی تلاوت سے اس قدر شغف تھا کہ کہیں جانا ہوتا تو پیدل سفر کو سواری پر صرف اس لیے ترجیح دیتے کہ پیدل سفر میں تلاوت زیادہ ہو جاتی ہے۔ ان کی تدفین کے وقت قبر سے ایسی تیز خوشبو آئی کہ تمام افراد کے دل و دماغ معطر ہو گئے۔ بعض لوگوں کا گمان یہ تھا کہ شاید کسی نے قبر میں

خوشبو ڈالی ہے حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ (قبر کا بیان۔ محمد اقبال کیلانی)

(۱۰) اس واقعہ کے راوی تایا جان محترم حافظ محمد ادریس کیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ فرماتے ہیں کہ تقسیم ہند سے قبل شیخ الحدیث محمد نذیر حسین محدث دہلوی کے مدرسہ کا ایک طالبعلم فوت ہوا تو اس کی قبر سے اس قدر مسحور کن خوشبو آئی کہ سارا ماحول معطر ہو گیا۔ لوگوں نے میاں نذیر حسین رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کیا آپ کے علم میں اس طالب علم کا کوئی ایسا عمل ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے یہ عزت عطا فرمائی ہے تو میاں صاحب نے واقعہ سنایا۔

دوسرے طلباء کی طرح اس طالب علم کا کھانا بھی ایک گھر میں لگا ہوا تھا۔ اس وقت مدارس میں طلباء کے لیے کھانے کا انتظام نہ ہوتا تھا بلکہ بعض مخیر حضرات اپنے ذمہ ایک یا دو طالب علموں کا کھانا لے لیتے اور گھر بلا کر انہیں کھلاتے تھے۔ اس گھر میں ایک نوجوان لڑکی تھی۔ جو اس طالب علم سے محبت کرنے لگی۔ ایک روز اہل خانہ کسی تقریب کے لیے گئے ہوئے تھے۔ لڑکی گھر میں اکیلی تھی۔ طالب علم حسب معمول کھانے کے لیے آیا تو لڑکی نے گھر کے دروازے بند کر لیے اور طالب علم کو دعوت گناہ دی۔ لڑکے نے انکار کیا تو لڑکی نے دھمکی دی کہ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو میں تمہیں شور مچا کر بدنام کر دوں گی۔ بیچارہ بہت پریشان ہوا۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔ جلد ہی اس نے ایک ترکیب سوچ لی۔ اس نے رفع حاجت کے لیے بیت الخلاء جانے کی اجازت مانگی تو لڑکی نے مکان کی چھت پر بیت الخلاء میں جانے کی اجازت دے دی۔ طالب علم نے بیت الخلاء میں جا کر اپنے سارے جسم کو نجاست اور گندگی سے آلودہ کر لیا۔ جب واپس آیا تو لڑکی نے شدید نفرت کا اظہار کیا اور فوراً گھر سے نکال دیا۔ سردی کا موسم تھا۔ طالب علم نے مسجد میں آ کر غسل کیا۔ کپڑے دھوئے۔ باہر نکلا تو شدید سردی کے باعث کانپ رہا تھا۔ اسی دوران میں مسجد میں پہنچ گیا لڑکے سے وجہ پوچھی تو اس نے کچھ تامل کے بعد ساری بات سنا دی۔ تب میں نے اللہ سے دعا کی۔ یا اللہ قرآن و حدیث کے اس طالب علم نے تیرے ڈر اور خوف کی وجہ سے جسم کو غلاظت سے آلودہ کر کے اپنے آپ کو گناہ سے بچایا ہے تو اپنے فضل و کرم سے دنیا اور آخرت میں اس کی عزت افزائی فرما۔ بعید نہیں اللہ تعالیٰ نے طالب علم کے اسی عمل کے نتیجہ میں اس کو ایسی بلند شان عطا فرمائی ہو۔ (قبر کا بیان۔ محمد اقبال کیلانی)

باب:۴

حصولِ تقویٰ کے ذرائع

حلال وحرام کی تمیز اسلام کی روح اور جان ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک واحادیث میں جا بجا حلت وحرمت کے احکام ہیں۔اسلام نے حفاظت دین کی خاطر مشتبہات پر بھی قدغن لگائی ہے۔مشتبہات سے مراد ایسی اشیاء یا امور ہیں جو غیر واضح ہیں۔اگر کسی چیز کے بارے دل میں شک وشبہ یا ابہام پیدا ہو جائے تو کوئی مسلمان اس سے استفادہ کے بارے سوچ بھی نہیں سکتا۔حرام ومشتبہات سے اجتناب کا رویہ ایمان باللہ کی پختگی کی دلیل ہے حرام امور سے بچنے کے لیے قرآن مجید ہماری کس طرح رہنمائی کرتا ہے۔اس باب میں انہی امور کی وضاحت ہوگی۔

پہلا ذریعہ' عبادتِ الٰہی:

اسلام میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عنایت کردہ استعداد اور طاقت کو اس کی تعلیمات کے مطابق خرچ کرے۔اس وجہ سے قرآن مجید نے انسان کی تخلیق کا مقصد ہی عبادت قرار دیا ہے۔ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝﴾ (البقرۃ:۲۱)

(میں نے جنوں اور انسانوں کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔)

دوسری جگہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝﴾ (البقرۃ:۲۱)

(اے ایمان والو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور تم سے پہلے لوگوں کو بھی۔شاید کہ تم متقی بن سکو۔)

مدینہ میں موجود تین طرح کے گروہ مومنین ۔ کافر اور منافقین کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں سے مشترک خطاب فرما کر انہیں اسلام کی بنیادی دعوت کی طرف متوجہ کیا اور فرمایا کہ تم لوگ خوب اچھی طرح جانتے ہو کہ اللہ نے ہی تمہیں بھی اور تم سے پہلے لوگوں کو بھی پیدا کیا۔ تمہارے لیے زمین کو مستقر اور آسمان کو محفوظ چھت بنا دیا کہ کوئی سیارہ اوپر سے گر کر زمین کو تہس نہس نہیں کر دیتا۔ آسمان سے بارش برسا کر تمہاری تمام ضروریات زندگی یعنی اناج اور طرح طرح کے پھل پیدا کیے۔ پھر تمہیں عبادت بھی صرف اسی کی کرنا چاہیے اور کسی دوسرے کو اس کے اقتدار و تصرف میں شریک سمجھ کر اس کی عبادت نہ کرنا چاہیے اسی صورت میں یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ تم اخروی عذاب سے بچ سکو۔

عبادت کے معنی اطاعت وفرماں برداری کے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہر حکم و قانون کو مان کر اس کے مطابق عمل کرنے کا نام عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ معبود برحق ہے۔ وہ اکیلا ہی ہر قسم کی عبادت کے لائق ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ نہ ذات میں نہ صفات میں۔ شرک کی بہت سی قسمیں ہیں۔ یہاں پر چند ایک اقسام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

شرک فی العبادت:

عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ عبادت کا مستحق ہے اسی طرح دوسرے کو بھی مستحق سمجھنا۔ جیسے نماز روزہ ٗحج ٗ زکوٰۃ ٗ رکوع ٗ سجدہ ٗ قیام ٗ دعا ومناجات ٗ اور نذر و نیاز وغیرہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ کسی بھی زندہ و مردہ پیر ٗ ولی ٗ پیغمبر ٗ امام کی قبر پر سجدہ کرنا یا رکوع وطواف کرنا شرک فی العبادت کے زمرہ میں آتا ہے۔

شرک فی العلم:

اللہ تعالیٰ جیسا علم دوسروں میں ماننا۔ جیسے ہر جگہ حاضر و ناظر رہنا ٗ ہر چیز کا جاننا ٗ دور و نزدیک سے برابر سننا سب اللہ تعالیٰ کی شان ہے ان ہی صفات کو دوسروں کے لیے ماننا شرک فی العلم ہے۔

شرک فی الصفات:

مخلوق میں سے کسی کا اللہ تعالیٰ کی طرح تصرف تسلیم کرنا' اپنا حکم جاری کرنا' اپنی مرضی سے مارنا یا زندہ کرنا' تندرست و بیمار کرنا' آرام و تکلیف دینا' مرادیں پوری کرنا' مشکل کے وقت کام آنا' رزق دینا' اولاد دینا یا نہ دینا۔ ان سب صفات میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو شامل کرنا کہ کوئی اور بھی مشکل کشائی یا حاجت روائی کرسکتا ہے یہ شرک فی الصفات ہے۔

شرک فی العادات:

عادت کے طور پر جو کام اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے لیے کرنا چاہئیں وہ غیر اللہ کے لیے کیے جائیں جیسے قسم اٹھانا' اٹھتے بیٹھتے نام لینا یہ سب کام اللہ تعالیٰ کی تعظیم و بڑائی کے لیے کیے جاتے ہیں۔ ایسی ہی تمام عبادات صرف اللہ کے لیے خاص ہیں اور وہی ان کا مستحق ہے۔

ہماری ہر قسم کی مالی' بدنی' قلبی' لسانی' ظاہری اور باطنی سب عبادتیں صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ٥﴾ (کہہ دیجیے! میری نماز' قربانی اور میرا جینا اور مرنا سب اللہ ہی کے لیے ہے جو جہانوں کا رب ہے۔)

(الانعام:۱۶۳)

جیسا کہ ہم نماز میں اللہ تعالیٰ سے اقرار اور وعدہ کرتے ہیں:

(التحیات للہ والصلوات والطیبات) (سب درود' وظیفے' عجز و نیاز اور صدقے خیرات اللہ ہی کے لیے ہیں۔)

بخاری و مسلم میں حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(یا معاذ اتدری ماحق اللہ علی عبادہ وما حق العباد علی اللہ قلت اللہ ورسولہ اعلم قال فان (اے معاذ! کیا تم یہ جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟ میں نے کہا۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے

حق اللّٰہ علی العباد ان یعبدوہ ولا یشرکوا بہ شیئاً و حق العباد علی اللّٰہ ان لایعذب من لایشرك بہ شیئا.) (بخاری)

ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ اسی کی عبادت کریں۔اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ جانیں۔بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہے کہ اللہ ان کو سزا نہ دے۔جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتے۔)

اسی طرح بخاری کی ایک دوسری حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

(قال رجلٌ یا رسول اللہ ای الذنب عند اللہ اکبر قال ان تدعواللہ ندا وھو خلقک.)

(ایک شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہ! ﷺ اللہ کے نزدیک کون سا گناہ سب سے بڑا ہے۔ فرمایا کہ تو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔)

دوسرا ذریعہ قرآن فہمی:

قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنا حصول تقوی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔یہ اللہ کی مضبوط رسی اور واضح نور ہے۔جو اس کو مضبوطی سے پکڑے گا۔اس کے اوامر ونواہی پر عمل پیرا ہوگا۔اللہ اسے نجات دے گا۔ارشاد ربانی ہے:

﴿خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ وَّاذْکُرُوْا مَافِیْهِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرۃ:۶۳)

(جو کتاب ہم نے تمہیں دی ہے اس پر مضبوطی سے عمل پیرا ہو جاؤ۔اس کے مندرجات کو اچھی طرح یاد رکھو شاید تم اس طرح ہی متقی بن جاؤ۔)

قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا۔دنیا میں شاید عربی ہی ایک ایسی زبان ہے جو ترجمہ کے بغیر پڑھائی جاتی ہے۔بچہ جب پہلی جماعت سے انگریزی پڑھنا شروع کرتا ہے تو استاد اسے بتاتا ہے۔ A سے Apple یعنی سیب۔لیکن جو بچے عربی پڑھتے ہیں انہیں صرف الفاظ پڑھائے جاتے ہیں۔الفاظ کے معانی کا کسی کو بھولے سے خیال بھی نہیں آتا اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ ہمیں یہ بات ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ قرآن کریم کا پڑھنا ہی باعث خیر و برکت ہے۔دلیل کے طور پر نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد پیش کیا جاتا ہے۔قرآن کریم

کے ہر حرف کے بدلے ایک نیکی ملتی ہے۔اور ہر نیکی کا دس گنا اجر ملے گا۔
میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف' لام ایک حرف اور میم الگ حرف ہے۔(ترمذی)

اس سے ہم نے یہ سمجھ لیا کہ اگر قرآن کریم کو ناظرہ پڑھنے سے ہی اتنی زیادہ نیکیاں مل جاتی ہیں تو پھر ترجمہ پڑھنے پڑھانے اور سمجھنے سمجھانے کی کیا ضرورت ہے؟اسی طرح رسول اکرم ﷺ کے ارشاد مبارک **خیر کم من تعلم القرآن وعلمه** (متفق علیہ) ''تم میں سے بہتر وہ ہے جو خود قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔'' اس سے بھی ہم نے سمجھ لیا کہ بس قرآن کریم ناظرہ پڑھنے پڑھانے سے ہی آپ ﷺ کے ارشاد کی کما حقہ تعمیل ہو گئی۔

قرآن مجید کا اصل موضوع انسان کی ہدایت ہے۔لہٰذا ہدایت سے متعلق ہر چھوٹی بڑی بات اس کتاب میں پوری تفصیل سے درج کر دی گئی ہے۔ یہ ذکر خالص عربی زبان میں ہے جس میں کوئی الجھن یا پیچیدگی نہیں ہے۔تا کہ عوام وخواص سب لوگ اس سے برابر فائدہ اٹھا سکیں۔

قرآن حکیم کے اصل مقام و مرتبہ کا علم تو مالک کائنات کو ہی ہے جس کا یہ کلام ہے اور اس کی حقیقی قدر و قیمت سے آگاہ وہ ذات بابرکت ہے جس پر یہ کلام نازل ہوا۔ہمارا یہ کام ہے کہ قرآن مجید کے حقوق کو پوری دیانت داری کیساتھ ادا کریں۔قرآن مجید کے مندرجہ ذیل پانچ حقوق ہر مسلمان پر عائد ہوتے ہیں۔

(۱) پورے یقین کے ساتھ اس پر ایمان لائے۔
(۲) اس کی تلاوت کرے۔
(۳) اس کا فہم حاصل کرے۔
(۴) اس پر کما حقہ عمل کرے۔
(۵) اس کی تعلیم کو دوسروں تک پہنچائے۔

ایک عام آدمی کو مدارس میں یہ بات ذہن نشین کرائی جاتی ہے کہ قرآن ایک مشکل کتاب ہے۔اس کو سمجھنا ہر ایک کے بس کا روگ نہیں۔لہٰذا وہ کسی عالم دین کی اتباع کریں۔

اگر کوئی اس کا فہم حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ القمر میں چار دفعہ فرمایا۔

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ﴾ (القمر:۱۷) (ہم نے قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا تو ہے کوئی جو سوچے اور سمجھے۔)

آج نام نہاد ملا قسم کے لوگ قرآن مجید کا ترجمہ سیکھنے کے لیے چودہ علوم کا سیکھنا ضروری قرار دے رہے ہیں۔ جس کا معنی یہ ہے کہ نہ کوئی چودہ علوم سیکھے اور نہ قرآن کو سمجھ سکے۔ شاید ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے۔

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ (محمد:۲۴) (بھلا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے۔ یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔)

قرآن مجید قیامت والے دن اپنے پڑھنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں مغفرت کی سفارش کرے گا۔ اسی طرح مختلف سورتوں کے بارے میں بھی احادیث میں وارد ہے کہ وہ شفاعت کریں گی۔ مثلاً سورۃ البقرہ، سورۃ الملک وغیرہ۔ جو لوگ قرآن سے لاپرواہی اختیار کرتے ہیں ان کے خلاف قرآن کی گواہی ہوگی۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

(اَلْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّكَ اَوْ حُجَّةٌ عَلَيْكَ.) (قرآن یا تو تمہارے حق میں حجت بنے گا یا تمہارے خلاف۔)

ہمیں تو اس بات پر بڑا ناز ہے کہ امام کائنات، فخر موجودات ﷺ روزِ قیامت اس قرآن کریم پر عمل کرنے کے باعث ہماری شفاعت فرمائیں گے۔ اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں ہمارے خلاف شکوہ کناں ہوں۔

﴿يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُوْرًا﴾ (الفرقان:۳۰) (اے رب! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔)

قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے کوشش اور محنت تو ضرور کرنا پڑتی ہے مگر یہ مشکل قطعاً نہیں ہے۔ اس کا ثمرہ دنیا و آخرت کی کامیابی اس معمولی محنت کے مقابل کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔

جبکہ آج کل تو علمائے کرام نے یہ کام بہت ہی آسان کر دیا ہے۔ کسی بھی مستند عالم دین سے رجوع کریں۔ کوئی مستند تفسیر سے راہنمائی حاصل کریں۔ تو قرآن مجید کا فہم حاصل کرنا اللہ کی توفیق سے کچھ مشکل نہ رہے گا۔

تیسرا ذریعہ اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

تقویٰ کے حصول کا تیسرا ذریعہ نبی اکرم ﷺ کی اتباع میں مضمر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے اسوۂ حسنہ بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝﴾ (الانعام:۱۵۳)

(بلاشبہ یہی میری سیدھی راہ ہے۔ اسی پر چلتے جاؤ اور دوسری راہوں پر نہ چلو ورنہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے ہٹا کر جدا جدا کر دیں گی اللہ نے تمہیں انہی باتوں کا حکم دیا ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے ایک خط کھینچا اور فرمایا یہ اللہ کا راستہ ہے پھر اس کے دائیں اور بائیں اور خط کھینچے اور فرمایا۔ یہ اور راستے ہیں ان میں ہر ایک راستہ پر شیطان اپنی طرف بلاتا ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی۔ اَنَّ ھٰذا صراطی مستقیما۔ (احمد، نسائی، دارمی)

آپ ﷺ نے سیدھا خط تو ایک کھینچا اور ٹیڑھے خطوں کی تعداد مختلف احادیث میں مختلف آتی ہے۔ بعض احادیث میں چار چار ہے اور بعض میں سات سات۔ سیدھا خط تو اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے اور ٹیڑھے خط شیطانی راستے ہیں۔ ہر فرقہ اپنی جگہ یہ سمجھتا ہے کہ ہم سیدھے راستہ پر ہیں اور باقی گمراہ۔ لہٰذا اس کی وضاحت ایک دوسری حدیث میں کر دی گئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور میری امت میں ۷۳ فرقے ہوں گے۔ ایک کے سوا سب آگ میں جائیں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! وہ کون ہوں گے؟ فرمایا ''ما انا علیہ واصحابی '' وہ جس پر میں ہوں

اور میرے صحابہ ہیں۔ (ترمذی)

اب یہ معلوم کرنا ہے کہ صحابہ کی کون سی راہ تھی۔ وہ یہ تھی کہ وحی جلی یعنی قرآن مجید کو سب سے مقدم سمجھا جائے۔ اس کے بعد وحی خفی یعنی احادیث مبارکہ کو اور اس کے بعد صحابہ کے اجماع کو اور اس کے بعد اجتہاد و قیاس کو۔ جیسا کہ اس کی وضاحت سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کی گئی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو گورنر بنا کر یمن کی طرف روانہ کیا تو ان سے پوچھا کہ فیصلہ کس طرح کرو گے تو سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ اللہ کی کتاب کے مطابق تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس سے مسئلہ واضح نہ ہوا تو پھر؟ کہنے لگے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے۔ فرمایا اگر یہاں سے بھی نہ ملا تو پھر؟ کہا میں اجتہاد سے کام لوں گا۔

مالک بن انس راوی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک ان کو تھامے رہو گے گمراہ نہیں ہو گے۔ اللہ کی کتاب اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ (موطا)

دین میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اسی طرح فرض ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت فرض ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (نساء:۸۰)

(جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔)

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ٥﴾ (الحشر:۷)

(رسول جو تمہیں حکم دیں اسے مانو اور جس سے منع کریں تو باز آ جاؤ۔ اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرنے والا ہے۔)

اسی طرح ارشادِ ربانی ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (النور:۶۳)

(جو لوگ اللہ کے رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے کہ کوئی دردناک مصیبت یا عذاب نہ ان کو پہنچ جائے۔)

اس قسم کی بہت سی آیتیں ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کا حکم ہے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ وہی کہتے اور کرتے تھے جو اللہ کا حکم ہوتا تھا۔ اللہ کے حکم کے بغیر وہ بولتے بھی نہ تھے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی o﴾ (النجم:۳،۴)

(وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے وہ تو وہی کچھ کہتے ہیں جو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے۔)

لہٰذا رسولِ اکرم ﷺ کی فرمانبرداری ہم سب پر فرض ہے۔ ان کی فرمانبرداری اور اطاعت کے بغیر نجات ممکن نہیں ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

(لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ.) (ترمذی)

(تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہوجائیں۔)

یعنی ہر کام میں سنت کی پیروی ضروری ہے۔ اس میں ہم سب مسلمانوں کا امتحان ہے۔ جو لوگ اس میں پورے اتریں گے۔ وہی پکے مسلمان ہیں۔ جو لوگ رسول اکرم ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں۔ ان کی سنت کے خلاف کام کرتے ہیں۔ ان کے لیے بڑی سخت وعید ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا o﴾ (النساء:۱۱۵)

(جو شخص راہِ ہدایت کی وضاحت ہونے کے باوجود رسول کی مخالفت کرے اور مومنوں کا طریقہ چھوڑ کر چلے۔ ہم اسے ادھر ہی متوجہ کردیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہوا ہے۔ اسے دوزخ میں ڈال دیں گے۔ وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔)

بدعت:

ہر وہ کام جس کا ثبوت قرآن و حدیث سے نہ ملے اور انسان اس کو ثواب سمجھ کر کرے تو وہ بدعت ہے۔

دین کو سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والی چیز بدعت ہے۔ بدعت چونکہ نیکی اور

ثواب سمجھ کر کی جاتی ہے اس لیے بدعتی انہیں ترک کرنے کا تصور بھی نہیں کرتا جبکہ دوسرے گناہوں کے معاملہ میں گناہ کا احساس موجود رہتا ہے۔ جس سے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ گنہگار کبھی نہ کبھی اپنے گناہوں پر نادم ہو کر ضرور توبہ و استغفار کر لے گا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

(مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَالَيْسَ مِنْهُ فَهُوَرَدٌّ) (متفق علیہ) (جس نے کوئی ایسا کام کیا جو دین میں نہیں ہے وہ اللہ کے ہاں مردود ہے۔)

روزِ قیامت جب نبی اکرم ﷺ اپنی امت کو حوضِ کوثر سے پانی پلا رہے ہوں گے۔ کچھ لوگ حوض پر آئیں گے جنہیں رسولِ اکرم ﷺ اپنی امت سمجھیں گے۔ لیکن فرشتے آپ ﷺ کو بتائیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کے بعد بدعات شروع کر دیں۔ چنانچہ رسولِ اکرم ﷺ فرمائیں گے:

(سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِيْ.) (بخاری و مسلم) (دور ہوں وہ لوگ جنہوں نے میرے بعد دین کو بدل ڈالا۔)

پس وہ عبادت اور ریاضت جو سنت رسول کے مطابق نہ ہو۔ ضلالت اور گمراہی ہے۔ وہ اذکار اور وظائف جو سنت رسول سے ثابت نہ ہوں بے کار اور لا حاصل ہیں۔ وہ صدقہ خیرات جو رسولِ اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق نہ ہوں بے کار اور رائیگاں ہیں۔ وہ محنت اور مشقت جو آپ کے حکم کے مطابق نہیں جہنم کا ایندھن ہے۔ بدعت کے بُرا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جو بدبخت بدعت پیدا کرتا ہے وہ اسے دین کا جزو بتاتا ہے۔ حقیقت میں یہ دعویٰ کرتا ہے کہ دین ابھی نامکمل تھا۔ میں نے اب دین کو پورا کر دیا۔ اس سے نبی اکرم ﷺ پر بھی اعتراض ہوتا ہے کہ وہ دین کو نامکمل چھوڑ گئے۔ یا انہوں نے دین میں سے کچھ چھپا لیا۔ جو کہ میں اب واضح کر رہا ہوں۔ بدعتی آدمی یہ سمجھتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم ﷺ کو حق پہنچتا ہے۔ کہ وہ حکم دیں اور لوگ اسے تسلیم کریں اسی طرح مجھے بھی حق ہے کہ میں حکم دوں اور لوگ اس پر عمل کریں۔ گویا خود منصبِ ربانی اختیار کرتا ہے۔

گناہ بے لذت:

بعض ایسے گناہ ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانیاں ہیں جن کو کرنے سے انسان کو نہ کوئی مالی فائدہ اور نہ ہی کوئی روحانی فائدہ ہوتا ہے۔ بس اپنے نفس کی تسکین ہے۔ نفس بھی وہ جو کہ شیطان کا پیروکار ہے۔ جسے قرآن مجید میں نفسِ امارہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان گناہوں میں سے چند ایک کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ باقی انسان خود اپنا محاسبہ کر سکتا ہے۔ یہ سب چیزیں انسان کو تقویٰ سے دور اور دور تر کرتی رہتی ہیں۔ کیونکہ ان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح مخالفت ہے۔

خوشی کے مواقع:

انسان کی دین سے محبت اور تقویٰ کا اصل میں خوشی کے مواقع پر ہی پتہ چلتا ہے۔ خوشی کے موقع پر رسم ورواج کے نام پر بے ہودگی، عریانی، بے پردگی کے وہ مناظر نظر آتے ہیں کہ سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ شادی سے پہلے مہندی کی رسم میں گھر کی عورتیں اور بیٹیاں اس طرح بے پردہ نظر آتی ہیں جیسے مقابلہ حسن یا فیشن شو ہو رہا ہے۔ وہ بیٹی جسے والدین نے اچھی تربیت اور اسلامی ماحول میں پروان چڑھایا۔ شادی والے دن درجنوں غیر محرموں کے سامنے بلکہ ان کے ساتھ بیٹھ کر تصویریں بنوانے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتی۔

بدقسمتی سے اس مقدس فریضے کو شہرت اور اسراف کی نظر کر دیا گیا ہے۔ بے پناہ لائٹوں، باجوں اور گانوں پر بے تحاشا رقم خرچ کر کے غریبوں کی غربت کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ خدارا! اپنے آپ کو بدلو! اگر بدل نہیں سکتے تو کم از کم اسے دل سے ہی برا جانو۔ اگر دل سے برا جانتے ہو تو ایسے دوستوں اور رشتہ داروں کی شادیوں کو خیر آباد کہہ دو۔ کہ یہی سلف صالحین کا طریقہ ہے ارشادِ ربانی ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ (التحریم: ٦) (اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔)

رات کی شادیوں میں سب سے مکروہ بات آتش بازی ہے جس میں اہل محلّہ اور پڑوس کے کسی بوڑھے، بیمار یا بچے کا لحاظ کیے بغیر اپنی رقم کو پٹاخوں میں اڑاتے ہیں اور لوگوں کی بد دعائیں لیتے ہیں۔ کئی تو ساتھ ہوائی فائرنگ بھی شروع کر دیتے ہیں۔ جس سے بعض اوقات انسانی جانوں کی ہلاکت کی بھی خبریں ملتی ہیں۔

شادی کرنا جو کہ نہایت آسان تھا اس کو ہم نے خود ہی مشکل ترین کام بنا دیا ہے۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد نبی اکرم ﷺ نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے کپڑوں پر زرد رنگ کا نشان دیکھا تو فرمایا۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ! یہ نشان کیسا ہے؟ بولے یا رسول اللہ ﷺ! میں نے شادی کی ہے۔ پوچھا حق مہر کتنا دیا۔ کہنے لگے۔ کھجور کی گٹھلی برابر سونا۔ آپ ﷺ نے برکت کی دعا کی اور فرمایا۔ اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ (بخاری) ولیمہ کرو چاہے ایک بکری ہی ذبح کرو۔ اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ کی چھوٹی سی بستی میں نبی اکرم ﷺ موجود ہیں۔ جانثار صحابی شادی کرتا ہے جس میں نبی اکرم ﷺ کو نہیں بلاتا تو پھر بھی نبی اکرم ﷺ اس پر غصے یا رنج کا اظہار نہیں کرتے۔ بلکہ برکت کی دعا دیتے ہیں۔ گویا نبی اکرم ﷺ نے ثابت کر دیا کہ شادی کرنا نہایت آسان ہے۔ ہماری بدقسمتی کہ رسم و رواج کے نام پر اپنی زندگی کو اجیرن بنایا ہوا ہے اور پھر بھی ہم عاشق رسول اور پکے مسلمان ہیں۔

داڑھی کا مسئلہ:

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کی رفاقت کے لیے سیدہ حوا کو پیدا کیا۔ دونوں کی صورت و ساخت وہ بنائی جو اسے پسندیدہ تھی۔ دونوں میں ظاہری تمیز کے لیے مردوں کو داڑھی والا بنایا۔ جس سے مرد کا حسن اور رعب دوبالا ہوتا ہے۔ گویا داڑھی مرد کے چہرے میں تاج کی حیثیت رکھتی ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ کوئی مسلم ہو یا غیر مسلم، ان کا سردار داڑھی والا ہی ہوتا ہے۔ گویا انسان فطری طور پر داڑھی کو اپنے لیے موجب عزت سمجھتا ہے۔ داڑھی کو کاٹنا مجوسیوں کا طریقہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی پیدائش اور بناوٹ کو بدلنا ہے۔ اسی طرح داڑھی مونڈھنا اپنے آپ کو عورتوں کے مشابہ کرنا ہے۔ سیدنا ابن

عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(لَعَنَ النبیُّ المتشبّھین مِنَ الرِّجالِ بِالنّسآءِ وَالْمُتَشَبِّھَاتِ مِنَ النّساءِ بِالرِّجالِ.) (بخاری)

(نبی اکرم نے عورتوں کی مشابہت کرنے والے مردوں اور مردوں کے ساتھ مشابہت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔)

ابن عباس کی دوسری روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(لعن اللہ المتشبھات من النّساء بالرجال والمتشبھین من الرجال بالنساءِ.) (ابوداؤد۔ترمذی۔ابن ماجہ)

(اللہ تعالیٰ نے مردوں کے ساتھ مشابہت کرنے والی عورتوں اور عورتوں کے ساتھ مشابہت کرنے والے مردوں پر لعنت فرمائی ہے۔)

داڑھی مرد کی خصوصی پہچان ہے اور داڑھی کا نہ ہونا عورت کی پہچان ہے۔ جو شخص داڑھی کو مونڈھتا ہے وہ یقیناً عورت سے مشابہت کرتا ہے اور ایسے آدمیوں پر اللہ تعالیٰ کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی لعنت ہے۔ داڑھی رکھنا تمام انبیاء کی سنت ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہارون علیہ السلام کی داڑھی کا ذکر ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿یَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَلَا بِرَأْسِیْ﴾ (طٰہٰ:۹۴)

(اے میرے بھائی! تم میری داڑھی اور سر کے بال نہ پکڑو۔)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی کے بارے میں بہت سی احادیث ہیں۔ جن سے داڑھی بڑھانے کی فضیلت اور تاکید کے ساتھ ساتھ اس کے مونڈھنے اور کاٹنے کی برائی وقباحت معلوم ہوتی ہے۔

(۱) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(خالفوا المشرکین اَوْفِرُوا اللحی واحفوا الشوارب وفی روایۃ انھکوا الشوارب واعفوا اللحیٰ.) (متفق علیہ)

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرکین کی مخالفت کرو یعنی داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کاٹو۔ ایک روایت میں ہے مونچھیں ہلکی کرو اور داڑھی کو چھوڑ دو۔)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(ان اھل الشرک یعفون شواربھم ویحفون لحاھم فخالفوھم فاعفوا اللحیٰ واحفوا الشوارب) (البزار)

(مشرک لوگ مونچھوں کو چھوڑتے تھے اور داڑھی کو کاٹتے تھے۔تم ان کی مخالفت کرو اور داڑھیوں کو چھوڑ دو اور مونچھوں کو کاٹو۔)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مونچھیں بڑھانا اور داڑھی کاٹنا مشرکین کا طریقہ ہے۔احادیث تو اور بھی ہیں مگر بات کی وضاحت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

(من تشبہ بقوم فھو منھم.) (ابوداؤد)

(جو کسی قوم کی مشابہت کرتا ہے تو وہ انہی میں شمار ہوتا ہے۔)

تاریخ ابن جریر میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ یمن کے شاہزادہ نے شاہ ایران کے حکم سے دو فوجیوں کو نبی اکرم ﷺ کے پاس بھیجا۔وہ دونوں آپ ﷺ کے پاس آئے۔ان کی داڑھیاں مونڈھی ہوئی تھیں اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں۔آپ ﷺ نے ان کی طرف دیکھنا ہی پسند نہ کیا۔پھر ان کی طرف متوجہ ہو کر خطاب کیا۔تم دونوں کے لیے افسوس ہے کہ کس نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے؟ دونوں نے کہا۔ہمارے رب (مالک) یعنی کسریٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: لیکن میرے رب نے تو مجھے اپنی داڑھی بڑھانے اور مونچھ کاٹنے کا حکم دیا ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا جو داڑھیاں مونڈھ کر نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کی امید رکھتے ہیں قیامت والے دن نبی اکرم ﷺ ان کی طرف دیکھنا بھی پسند نہ کریں گے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ طریقہ مجوسیوں اور غیر مسلموں کا ہے۔اس بات کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ داڑھی کاٹنا مشرکوں کا شعار ہے۔انہوں نے کسریٰ بادشاہ کو اپنا رب کہا اس کے حکم کی اتباع کو اپنے اوپر لازم سمجھا جیسا کہ مسلمانوں کو حقیقی رب العالمین کے حکم کی اتباع کو لازم سمجھنا چاہیے۔

نبی اکرم ﷺ کی جتنی بھی احادیث داڑھی بڑھانے کے بارے ہیں سب میں فعل امر استعمال کیا گیا ہے۔وفّروا. واعفوا. اوفروا اور وارخوا وغیرہ اس لیے ہمیں غور و فکر کرنا چاہیے۔

جو لوگ داڑھی بھی مونڈتے اور مونچھیں بھی بڑی رکھتے ہیں تو وہ نبی اکرم ﷺ کی دو سنتوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے فرمان پر عمل کرنا ہی ہمارے لیے نجات ہے یہی تقویٰ کی اصل علامت ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ﴾ (الاحزاب:۲۱)

(تحقیق تمہارے لیے رسول اکرم ﷺ کی ہستی میں بہترین نمونہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہو۔)

اِسبال الازار:

اسلام کے کچھ احکام ایسے ہیں جن کی ادائیگی میں مرد و عورت برابر ہیں۔ کچھ احکام ایسے ہیں جن میں مردوں کے لیے الگ احکام ہیں اور عورتوں کے لیے الگ۔ ان احکام میں اگر مرد و عورت ایک دوسرے کی مشابہت کریں گے تو دونوں کے لیے اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی لعنت وارد ہوئی ہے۔ انہی احکام میں سے مردوں کے لیے اپنے ٹخنے ننگے رکھنے اور عورتوں کے لیے ٹخنے ڈھانپ کر رکھنے کا حکم ہے۔ عورتوں پر غیر محرموں سے تمام جسم چھپانا فرض ہے محرموں کے سامنے اپنے ہاتھ اور چہرہ ظاہر کر سکتی ہیں۔ جبکہ مردوں کو ناف سے گھٹنوں تک جسم چھپانا چاہیے۔ لیکن ہمارے معاشرے میں الٹا رواج ہے۔ عورتیں اپنے ٹخنے ننگے رکھتی ہیں۔ جبکہ مرد ڈھانپ کر رکھتے ہیں۔ اس طرح دونوں ہی اپنے اپنے دائرہ میں اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں۔ جبکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں:

(لا يكلمهم الله يوم القيامة ولا ينظر اليهم ولا يزكيهم ولهم عذاب اليم فقرأها رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث مرات قال ابو ذر خابوا وخسروا

(تین آدمی ہیں جن سے اللہ قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا۔ ان کی طرف نظر نہیں کرے گا ان کو گناہوں سے پاک نہیں کرے گا۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ کلمات نبی اکرم ﷺ نے تین مرتبہ ارشاد فرمائے۔ سیدنا ابو ذر نے

مَن هم يا رسول الله قال: المسبل والمنان والمنفق سلعته بالحلف الكاذب.)	پوچھا یہ لوگ نامراد ہوئے اور نقصان اٹھایا۔ اللہ کے رسول یہ کون لوگ ہیں فرمایا: ٹخنوں سے نیچے کپڑا رکھنے والا' احسان جتانے والا اور جھوٹی قسم سے مال فروخت کرنے والا۔)

(مسلم ابن ماجہ۔نسائی)

اسی طرح صحیح بخاری کی حدیث میں روایت ہے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہے۔ جو کپڑا مردوں کا ٹخنوں سے نیچے ہوگا وہ آگ میں ہوگا۔ مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کو سارا جسم ڈھانپ کر رکھنے کا حکم ہے۔ سنن ابی داؤد میں روایت ہے کہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک عورت نے مسئلہ پوچھا کہ میں اپنے کپڑے کا کنارہ زمین پر لمبا چھوڑتی ہوں اور کوڑے والی جگہ پر چلتی ہوں (تو کیا کروں؟) ام المومنین نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس خراب جگہ کے بعد جو پاک جگہ آئے گی وہ کپڑے کو پاک بھی کر دے گی۔

بخاری شریف میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ موجود ہے۔ جب مجوسی غلام ابو لولؤ نے آپ رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کیا۔ اس وقت آپ رضی اللہ عنہ جان کنی کے عالم میں تھے۔ پیٹ کی انتڑیاں تک کٹ گئی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کو اگر کوئی چیز پلائی یا کھلائی جاتی تو انہی انتڑیوں کے ذریعہ باہر آ جاتی تھی۔ اس حالت میں ایک آدمی آپ کی بیمار پرسی کے لیے آیا اور چند تعزیتی کلمات کہہ کر جانے لگا۔ اس کی چادر زمین پر لٹک رہی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے واپس بلایا اور کہا:

(يا ابن اخي! ارفع ثوبك فانه ابقىٰ لثوبك واتقىٰ لربك.)	(اے بھتیجے! اپنا کپڑا اٹھاؤ۔ اس سے کپڑا زیادہ دیر باقی رہے گا اور رب کا تقویٰ تجھ میں زیادہ ہوگا۔)

جانداروں کی تصویر:

اللہ تعالیٰ ہمارا خالق ہے۔ تمام جانداروں کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے۔ کسی بھی جاندار کا مجسمہ بنانا اس کو گھر میں سجا کر رکھنا یا اسی طرح تصاویر کو بطور تزئین و آرائش گھر میں رکھنا ممنوع و حرام ہے۔ جبکہ ہم لوگ اس کام کو کچھ اہمیت نہیں دیتے۔ ان چیزوں کو گھر میں زینت،

کے لیے رکھیں' عقیدت کے طور پر رکھیں' یا بطور یادگار رکھیں۔ سب ہی صورتیں حرام ہیں۔ مسلمانوں میں بت گری کی بجائے مصوری بہت عام سی چیز ہے۔ دور جاہلیت میں لوگ اپنے صالحین یا دیوی' دیوتاؤں کے بت بناتے تھے۔ آج مسلمان اپنے بادشاہوں' سیاسی لیڈروں اور قابل تعظیم حضرات کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو بھی ان تصویروں سے وہی عقیدت ہوتی ہے جو اس دور کے مشرکوں کو اپنے بزرگوں کے مجسموں سے ہوتی تھی عزت و تکریم کے جذبات میں بھی کچھ فرق نہیں ہوتا۔ مسلمان ان تصویروں کو اپنے گھروں اور دفتروں میں آویزاں کر کے انہیں مزین کرتے ہیں اور ان سے عقیدت رکھتے ہیں۔ مثلاً ایرانی شیعہ جو بزعم خویش اسلامی انقلاب کے داعی ہیں اپنے امام خمینی کی تصویر کو اس کی ہدایت کے مطابق سینے سے چمٹائے' گلے لگائے بیت اللہ میں گھسنے کی کوشش کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے جس کعبہ کو بتوں اور تصویروں سے پاک کیا تھا اسی گھر کو یہ لوگ کاغذی بتوں سے آلودہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کہیں آپ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصویر دیکھیں گے جو کشتی کے نیچے ہاتھ دے کر اسے ساحل پر لگا رہے ہیں۔ ان کی مشکل کشائی کو ظاہر کرنے والا یہ کاغذی بت اب دکانوں پر بکتا اور گھروں میں آویزاں کیا جاتا ہے۔

کہیں آپ کو کسی ننگ دھڑنگ بزرگ کی تصویر دکھائی دے گی جو صرف ایک لنگوٹی پہنے جانوروں میں گھرے ہوئے ہیں۔ کسی تصویر میں ایک بزرگ کو شیر پر سوار دکھایا جاتا ہے پھر ان کے ساتھ انکے مزار کی بھی تصویر دکھائی دیتی ہے۔

گویا جاہلی دور کے لوگ جیسی عقیدت پتھر کے مجسموں سے رکھتے تھے ویسی ہی عقیدت آج کا مسلمان کاغذی بتوں سے رکھتا ہے۔ بت گری اور مصوری میں اسی مشابہت کی وجہ سے رسول اکرم ﷺ نے مصور کو ملعون قرار دیا ہے۔ (بخاری۔ کتاب البیوع)

بخاری و مسلم میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

(ان الذین یصنعون ھذہ الصور یعذبون یوم القیامۃ' یقال لھم احیوا ما خلقتم.)

(بے شک وہ لوگ جو تصویریں بناتے ہیں قیامت کے دن ان کو عذاب دیا جائے گا۔ ان سے کہا جائے گا۔ تم نے تصویریں بنائی تھیں ان کو زندہ

کرو۔یعنی ان میں روح ڈالو۔)

بخاری و مسلم کی ہی ایک اور حدیث سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں:

(سمعت رسول الله يقول: ان اشد الناس عذاباً يوم القيامة المصورون.) (میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ قیامت والے دن سب سے سخت عذاب میں مبتلا تصویر بنانے والے ہوں گے۔)

کپڑوں پر منقش اور بنی ہوئی تصویروں کے متعلق دو قسم کی روایات بخاری میں آتی ہیں اگر وہ پردہ وغیرہ کی صورت میں ہوں تو بالاتفاق ناجائز ہیں۔اور اگر تو شک یا تکیہ بنالیا جائے یعنی وہ روندی جاسکتی ہوں تو پھر کچھ قباحت نہیں۔تاہم راجح بات یہی ہے کہ تصاویر والا کپڑا ممنوع ہے۔

بخاری و مسلم کی ایک حدیث سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(لا تدخلُ الْمَلائِكَةُ بيتًا فيه كَلْبٌ وَلا صُوْرَةٌ.) (فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کوئی کتا یا تصویر ہو۔)

تصویر کی حرمت کی ایک وجہ یہ ہے کہ مجسمہ ساز مصور اس زعم باطل میں مبتلا ہو جاتا ہے گویا وہی اس تصویر یا مجسمے کو عدم سے وجود میں لایا ہے۔اس کی تصدیق واقعات سے ہوتی ہے۔چنانچہ ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے مجسمہ تراشا اور اس کے بعد اس کے نیچے طویل عرصہ تک ٹھہرا رہا۔جب مجسمہ پوری طرح تیار ہو گیا تو اس کے سامنے کھڑا ہوا۔ اس کے خدوخال اور اس کی خوبصورتی کو دیکھ دیکھ کر ناز کرنے اور اترانے لگا۔یہاں تک کہ فخر وغرور کے نشہ میں اس کو مخاطب کر کے کہنے لگا بات کر! بات کر! اسی لیے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کو انہیں عذاب دیا جائے گا۔تم نے جو کچھ تخلیق کیا ہے اس میں جان ڈالو۔(متفق علیہ)

اس سے معلوم ہوا کہ تصویر سازی بڑا گناہ ہے۔جس پر عذاب ہوگا۔تاہم جو تصویر حکومت کی طرف سے لازم قرار دی گئی ہو جیسے شناختی کارڈ' پاسپورٹ اور ڈومیسائل وغیرہ ہیں۔ان میں چونکہ انسان مجبور ہے۔اس میں اس کی مرضی کا دخل نہیں ہے۔اس لیے ان پر انہیں عذاب نہیں ہوگا۔بشرطیکہ انسان ان ضرورتوں سے تجاوز نہ کرے۔اگر کوئی ایسا کپڑا ہو

جس میں ایسی تصاویر نقش ہوں تو اس کو کاٹ کر تکیہ یا زمین پر بچھانے کے لیے بطورِ چادر استعمال کرلیا جائے تاکہ لوگ اس کو روندتے رہیں۔ تصویر والے کپڑے کا ایسا استعمال جائز ہے۔ جیسے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تصویر والے کپڑے کے تکیے بنا لیے تھے۔

اسی طرح شادیوں یا جلسوں وغیرہ کی ویڈیو فلمیں بنانے والوں کے لیے سخت وعید ہے۔ اگر وہ اس کاروبار کو حرام جانتے ہوئے محض تساہل کی وجہ سے کر رہے ہیں تو اس کی نہایت سخت سزا ان کو جہنم میں بھگتنی پڑے گی۔ اگر وہ اس کو حلال سمجھتے ہوئے کریں گے جبکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ اسلام میں حرام ہے تو وہ اپنے اس فعل سے کافر قرار پائیں گے اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ وعید صرف ان لوگوں کے لیے جو ہاتھ سے تصویر بناتے یا مجسمے تراشتے ہیں اور کیمرے کی تصویر؟ تصویر نہیں بلکہ عکس ہے تو ایسا سمجھنا بالکل غلط ہے۔ تصویر ہاتھ سے بنائی گئی ہو یا کیمرے اور ویڈیو کے ذریعے۔ وہ تصویر ہے اور اس کا بنانے والا اور بنوانے والا نارِ جہنم کی وعید کا مستحق ہے البتہ قدرتی مناظر کی جیسے نہر، درخت، پہاڑ وغیرہ جن میں روح نہیں۔ ان کی تصویر بنانا جائز ہے۔ متقی انسان ہر حالت میں یقیناً تصویر سے بچنے والا ہوتا ہے۔

ایفائے عہد:

ایک عہد تو وہ ہے جو انسان آپس میں کرتے ہیں۔ اور ایک عہد وہ ہے جو اللہ نے انسانوں سے لیا ہے کہ وہ اس کی توحید ربوبیت کا اقرار کریں۔ اس کے احکام و ہدایات کے مطابق زندگی گزاریں۔ ان دونوں قسموں کے عہدوں کی پاس داری ضروری ہے۔ ان میں کوتاہی پر قیامت والے دن باز پرس ہوگی۔ عہد کی خلاف ورزی بھی فرمانِ الٰہی کے مطابق تقویٰ کے منافی ہے۔ جو لوگ عہد کی پاسداری نہیں کرتے وہ متقی نہیں ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿الَّذِينَ عَاهَدتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ﴾ (الانفال:۵۶)

(وہ لوگ جن سے آپ نے عہد لیا ہے پھر وہ ہر بار ہی اپنے عہد کو توڑ دیتے ہیں اور وہ (اللہ سے) ڈرتے نہیں۔)

یہاں ان لوگوں سے مراد مدینہ کے یہود ہیں۔ جب رسولِ اکرم مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے مدینہ کے یہودیوں اور دوسرے مشرک قبائل سے معاہدات کی داغ بیل ڈالی جو بعد میں ''میثاقِ مدینہ'' کے نام سے مشہور ہوا۔ یہود سے آپ ﷺ نے جو معاہدہ کیا اس کی اہم دفعات یہ تھیں۔

(۱) مسلمان اور یہود آپس میں امن وآشتی سے رہیں گے۔ کوئی ایک دوسرے پر ظلم وزیادتی نہیں کرے گا۔ ان کے تعلقات خیر خواہی اور فائدہ رسانی کی بنیاد پر ہوں گے۔

(۲) اگر مدینہ پر کوئی بیرونی حملہ ہوا تو مسلمان اور یہود دونوں مل کر اس کا دفاع کریں گے۔ اخراجات بھی حصہ رسدی ادا کریں گے۔

(۳) یہود اپنے جھگڑوں کا اپنی شریعت کے مطابق خود ہی فیصلہ کریں گے۔ ہاں اگر وہ چاہیں تو اپنے مقدمات رسولِ اکرم ﷺ کے پاس فیصلہ کے لیے لا سکتے ہیں۔ اس صورت میں آپ ﷺ کا کیا ہوا فیصلہ ان پر نافذ العمل ہوگا۔

(۴) قریش اور ان کے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

(۵) کوئی آدمی اپنے حلیف کی وجہ سے مجرم نہیں ٹھہرے گا۔

(۶) اس معاہدہ کے سارے شرکاء پر مدینہ میں ہنگامہ آرائی اور کشت وخون حرام ہوگا۔

(۷) اس معاہدہ کے فریقوں میں اگر کوئی جھگڑا ہو جائے تو اس کا فیصلہ رسولِ اکرم ﷺ کریں گے۔ (ابنِ ہشام، جلد اوّل)

یہود کے تین قبائل مدینہ میں آباد تھے۔ تینوں نے اس معاہدہ کو باری باری تسلیم کر لیا۔ لیکن اپنی موروثی عادت کے مطابق بارہا اس معاہدہ کی خلاف ورزیاں کیں۔ انہوں نے اوس وخزرج کے درمیان دوبارہ عداوت ڈالنے کی کوشش کی۔ منافقوں کے ساتھ مل کر خفیہ اور معاندانہ سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ ایک مسلمان عورت بنوقینقاع کے بازار میں ایک سنار کے ہاں گئی تو اسے لوگوں نے ازراہ شرارت ننگا کر دیا۔ جس پر فریقین میں بلوہ ہوگیا۔ غزوہ بدر کے بعد کعب بن اشرف خود مکہ گیا اور مشرکین مکہ کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر

بھڑکایا۔ ایک دفعہ یہود نے آپ ﷺ کو چھت سے پتھر گرا کر ہلاک کرنا چاہا۔ جنگ خیبر کے موقع پر آپ ﷺ کو دعوت میں بکری کا گوشت کھلانے کی کوشش کی۔ جس میں زہر ملا ہوا تھا۔ غرض ان کی بدعہدیاں اور عہد شکنیاں اور معاندانہ سرگرمیاں اتنی زیادہ ہیں جن کا بیان یہاں ممکن نہیں۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

(اربعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كانت فيه خصلة منهنَّ: كان فيه خَصْلَةٌ من النّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا: إذا اؤتُمِنَ خَانَ، وإذَا حدَّثَ كَذَبَ، وَإذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإذَا خَاصَمَ فَجَرَ.)

(چار خصلتیں جس میں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا۔ جس میں ان میں کوئی ایک خصلت ہوگی تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ جب کوئی عہد کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب کسی سے جھگڑے تو بدزبانی کرے۔)

جس طرح عہد شکنی تقویٰ کے منافی ہے اسی طرح جھوٹ بولنے کو بھی نبی اکرم ﷺ نے اکبر الکبائر میں شمار کیا ہے۔ یہ چند ایک چیزوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ورنہ ہر وہ چیز جو سنت کے خلاف ہے۔ یقیناً کوئی بھی متقی انسان اس کو اپنانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ نبی اکرم ﷺ اکثر اپنے خطبہ میں ارشاد فرماتے تھے۔ **لا دين لمن لا عهد له** ۔ اس آدمی کا کوئی دین نہیں جو وعدے کی پاسداری نہیں کرتا۔ (بیہقی)

امانت داری:

امانت کی حفاظت اور اس میں کسی طرح کی کمی بیشی نہ کرنا بھی ایمان کا حصہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ بعثت سے قبل امین اور صادق کے نام سے ہی جانے پہچانے جاتے تھے۔ ہجرت کے موقعہ پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سپرد یہ ڈیوٹی لگائی کہ لوگوں کی میرے پاس امانتیں ہیں یہ واپس کر کے تم بھی مدینہ آ جانا۔ امانت داری بھی متقی شخص کی علامت ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهُ﴾ (البقرۃ:۲۸۳)

(اگر کوئی شخص دوسرے پر اعتماد کرے تو جس پر اعتماد کیا گیا ہے اسے قرض خواہ کی امانت واپس کرنا چاہیے اور اللہ سے ڈرنا چاہیے۔ جو اس کا رب ہے۔)

اسی طرح نبی اکرم ﷺ اکثر اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کرتے تھے:

(لَاايْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ له.) (اس آدمی کا کوئی ایمان نہیں جس میں امانت داری نہیں ہے۔)

اللہ تعالیٰ نے مومنین کی صفات بیان فرمائیں۔ ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ۝﴾ (المومنون:۸)

(اور وہ لوگ (مومن) اپنی امانتوں اور وعدوں کا لحاظ رکھتے ہیں۔)

اس کے علاوہ خوشی وتنگ دستی میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا' غصہ کو پی جانا' اور لوگوں کو قدرت کے باوجود معاف کر دینا بھی تقویٰ کی علامات ہیں۔ (آل عمران:۱۳۴)

جو شخص وعدہ پورا کرنا چاہے تو اللہ اس کا مددگار رہتا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر کیا۔ اس نے بنی اسرائیل کے ایک دوسرے شخص سے ایک ہزار اشرفیاں قرض مانگیں۔ اس نے کہا اچھا گواہوں کو بلا تاکہ میں ان کے سامنے دوں۔ اس نے کہا کہ اللہ کی گواہی کافی ہے۔ وہ کہنے لگا اچھا ضمانت دے۔ تو پھر کہنا لگا کہ اللہ ہی ضامن ہے۔ تو اس نے ہزار اشرفیاں اس کے وعدے پر دے دیں۔ جس نے قرض لیا تھا اس نے سمندر کا سفر کیا اور اپنا کام پورا کر کے یہ چاہا کہ جہاز پر سوار ہو کر اپنے وعدہ پر پہنچ جائے لیکن کوئی جہاز نہ ملا۔ آخر اس نے ایک لکڑی کریدی۔ اس میں ہزار اشرفیاں اور ایک خط رکھ کر بند کر دیا اور کہنے لگا۔ یا اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے فلانے شخص سے ہزار اشرفیاں قرض لیں تھیں اس نے تیری گواہی اور ضمانت کو قبول کر لیا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کوئی جہاز ملے۔ تاکہ قرض وعدہ پر واپس کر دوں۔ لیکن جہاز نہیں

ملا۔ اب میں یہ مال تیرے سپرد کرتا ہوں (تاکہ تو پہنچا دے) یہ کہہ کر وہ لکڑی سمندر میں پھینک دی۔ وہ لوٹ آیا اور برابر اپنے شہر جانے کو جہاز تلاش کرتا رہا۔ جس نے قرض دیا ہوا تھا وہ سمندر کے پاس خیال سے گیا کہ شاید کوئی جہاز آئے اور وہ آدمی آ کر میرا روپیہ واپس کر دے۔ اتنے میں اسے ایک لکڑی دکھائی دی۔ اس نے بطورِ ایندھن جلانے کے لیے ساتھ لے لیا۔ جب اس کو چیرا تو اس میں اشرفیاں اور خط پایا۔ پھر وہ شخص بھی آ گیا جس نے قرض لیا تھا۔ اس نے ہزار اشرفیاں واپس کیں اور معذرت کرنے لگا۔ اللہ کی قسم میں تو جہاز ڈھونڈھتا رہا تاکہ آ کر تمہارا قرض واپس کروں۔ مگر مجھے جہاز نہ ملا تب قرض دینے والے نے کہا۔ تم نے میرے پاس پہلے بھی کچھ بھیجا تھا۔ اس نے کہا جب مجھے جہاز نہ ملا تو میں نے ایک لکڑی میں ڈال کر سمندر کے حوالہ کر دی تھی۔ قرض دینے والا کہنے لگا۔ اللہ نے وہ اشرفیاں جو تو نے لکڑی میں رکھ کر بھیجی تھیں مجھے پہنچا دیں۔ پھر وہ اپنی دوسری ہزار اشرفیاں لے کر واپس لوٹ گیا۔ (بخاری۔ کتاب الکفالۃ)

راست بازی:

راست بازی بھی تقویٰ کے حصول کے لیے بہت ضروری چیز ہے۔ متقی انسان ہی ہمیشہ سچ بولنے پر آمادہ ہو سکتا ہے۔ سچ یقیناً نجات دینے والا ہے جب کہ جھوٹ ہلاکت میں ڈالنے والا ہے۔ جھوٹ کو نبی اکرم ﷺ نے منافق کی نشانیوں میں بھی ذکر کیا ہے۔ جبکہ سچ بولنے کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ صادق کے نام سے ہی معروف ہو گئے تھے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَكُونُوا۟ مَعَ ٱلصَّـٰدِقِينَ۝﴾ (التوبہ:۱۱۹)

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور راست باز لوگوں کا ساتھ دو۔)

وہ تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو جنگ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا سچ کی بدولت ہی قبول کی تھی۔ ان میں سے ایک صحابی کعب بن مالک خود بیان فرماتے ہیں۔ جس غزوہ میں بھی نبی اکرم ﷺ شریک ہوئے۔ میں دو غزوات کے علاوہ ہر غزوہ میں

شریک تھا۔ ایک غزوہ تبوک اور دوسرا غزوہ بدر۔ میرے غزوہ تبوک سے پیچھے رہنے کا واقعہ اس طرح ہے کہ میں اتنا زیادہ قوی اور اتنا زیادہ خوشحال کبھی نہ ہوا تھا جتنا غزوہ تبوک کے وقت تھا۔ اللہ کی قسم! میرے پاس کبھی دو اکٹھی سواریاں نہیں ہوئیں۔ جب کہ اس وقت میرے پاس دو سواریاں تھی۔ رسولِ اکرم ﷺ جب بھی کسی غزوے کا ارادہ فرماتے تو آپ اس کے غیر کے ساتھ توریہ فرماتے تا کہ دشمن سے اصل حقیقت مخفی رہے۔ حتی کہ غزوہ تبوک ہوا۔ سخت گرمی کا موسم تھا۔ سفر دور کا اور جنگل بیابانوں کا تھا۔ مدمقابل دشمن بھی بڑی تعداد میں تھا۔ آپ ﷺ نے توریے کے بغیر مسلمانوں کے سامنے واضح بیان فرمایا دیا تھا کہ سفر کی بھرپور تیاری کر لیں۔ مسلمان بڑی تعداد میں تھے۔ ان کا اندراج بھی کسی رجسٹر میں نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے اگر کوئی شخص جنگ سے غیر حاضر رہتا تو میں خیال کرتا کہ وہ نبی اکرم ﷺ سے مخفی رہے گا۔ یہ غزوہ رسولِ اکرم ﷺ نے اس وقت فرمایا جب پھل پک چکے تھے۔ پس رسولِ اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تیاری کی۔ اور میرا خیال اپنی فصل کی طرف تھا۔ میرا حال یہ تھا کہ صبح کے وقت نکلتا تا کہ آپ ﷺ کے ساتھ تیاری کروں اور اسی طرح واپس لوٹ جاتا۔ اپنے دل میں کہتا کہ میرے پاس وسائل ہیں جب چاہوں گا چلا جاؤں گا۔ پھر رسولِ اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ ایک صبح سفر کو روانہ ہو گئے۔ میں اپنی تیاری کے سلسلے میں کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔ میری یہی کیفیت رہی حتی کہ مجاہدین تیزی سے چلے گئے اور جہاد کا معاملہ بھی آگے بڑھ گیا۔ میں نے ارادہ کیا کہ میں بھی سفر پر روانہ ہو جاؤں اور ان کو ملوں۔ اے کاش! میں ایسا کر لیتا لیکن یہ میرے مقدر میں نہ ہوا۔

رسولِ اکرم ﷺ کے جانے کے بعد' جب میں لوگوں میں نکلتا تو یہ بات میرے لیے حزن و ملال کا باعث بنتی کہ میرے ساتھ اب کوئی نمونہ ہے تو فقط ایسے شخص کا جو نفاق سے مطعون ہے۔ یا ایسے کمزور لوگوں کا جن کو اللہ نے معذور قرار دیا۔ حتی کہ آپ ﷺ تبوک پہنچ گئے۔ وہاں آپ ﷺ نے پوچھا۔ کعب بن مالک نے کیا کیا؟ ایک آدمی نے کہا کہ اس کو اس کی دو چادروں اور دونوں پہلوؤں نے دیکھنے سے روک دیا (یعنی مال و دولت اور

کبر کی وجہ سے نہیں آیا) معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہنے لگے تو نے ٹھیک نہیں کہا۔ اللہ کی قسم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے اس میں خیر کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا۔ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفید پوش آدمی کو ریگستان سے آتے ہوئے دیکھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابوخیثمہ ہو اور واقعی وہ ابوخیثمہ انصاری تھے۔ یہ وہ صحابی ہیں جنہوں نے ایک دفعہ ایک کھجور کا صدقہ کیا تو منافقین نے انہیں طعنہ دیا تھا۔ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ نے کہا جب مجھے معلوم ہوا کہ رسولِ اکرم نے تبوک سے واپسی کا سفر شروع کر دیا ہے تو مجھ پر غم کی کیفیت چھا گئی اور میں جھوٹے بہانے گھڑنے کے بارے سوچنے لگا۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا چکے ہیں تو جھوٹے بہانے کا خیال میرے دل سے نکل گیا اور میں نے سچ بولنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس آتے تو مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا فرماتے اور لوگوں کے سامنے بیٹھ جاتے۔ اس دفعہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ منافقین نے آ کر عذر پیش کرنے اور حلف اٹھانے شروع کر دیے۔ یہ ۸۰ کے قریب آدمی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہر عذر کو قبول فرما لیا۔ ان سے بیعت لی۔ ان کے لیے دعائے مغفرت کی اور باطنی کیفیت کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراض آدمی والا تبسم فرمایا۔ پھر فرمایا آگے آ جاؤ۔ میں سامنے بیٹھ گیا تو مجھ سے پوچھا۔ تمہیں کس چیز نے جہاد سے پیچھے روکا۔ کیا تمہارے پاس سواری نہ تھی؟ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں کسی اور کے پاس ہوتا تو باتیں کر کے ناراضگی سے بچ جاتا۔ مگر اللہ کی قسم! مجھے معلوم ہے کہ آج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھوٹ بول کر سرخرو ہو جاؤں گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مجھ سے راضی ہو جائیں گے۔ عنقریب اللہ (وحی کے ذریعے مطلع فرما کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے ناراض کر دے گا۔ اگر میں سچی بات کروں گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو جائیں گے لیکن اس میں مجھے اللہ سے خیر کی امید ہے۔ اس لیے حقیقت حال عرض کرتا ہوں۔ مجھے کوئی عذر نہ تھا۔ میں خوشحال بھی تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس نے سچ کہا۔ تم انتظار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ تمہارے بارے فیصلہ کرے۔

مجھے بنوسلمہ کے لوگ کہنے لگے تم نے کیوں نہ کوئی عذر کر دیا جیسا دوسرے لوگوں نے کیا۔ تمہارے گناہ کی معافی کے لیے یہی کافی تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ تمہاری مغفرت کے لیے دعا کر دیتے۔ وہ مجھے اس بارے ملامت کرتے رہے کہ مجھے خیال آیا کہ میں دوبارہ نبی اکرم ﷺ کے پاس جاؤں اور پہلی بات کی تکذیب کر دوں لیکن پھر میں نے ان سے پوچھا کہ میرے والا معاملہ کسی اور کے ساتھ بھی پیش آیا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں مزید دو آدمیوں کا یہی معاملہ ہے۔ میں نے پوچھا وہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ۔ یہ دونوں آدمی بہت نیک تھے اور بدری صحابی تھے۔ ان میں میرے لیے نمونہ تھا۔ جس وقت انہوں نے ان دو آدمیوں کا ذکر کیا تو میں اپنے سابقہ موقف پر جم گیا۔

آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مجھ سے اور میرے جیسے دو ساتھیوں سے بات چیت کرنے سے منع کر دیا۔ ہم تین آدمیوں کے علاوہ جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے ان کے بارے یہ حکم نہ دیا۔ اب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہم سے بات چیت چھوڑ دی۔ اس حال میں زندگی مجھ پر دوبھر ہوگئی۔ مجھے بڑی فکر یہ تھی کہ اگر میں اسی حالت میں مر گیا تو آپ ﷺ میرے جنازے پر نماز بھی نہ پڑھیں گے۔ یا آپ ﷺ کی وفات ہو جائے تو میں ساری عمر اسی مصیبت میں مبتلا رہوں گا۔ کہ مجھ سے کوئی بات چیت بھی نہ کرے گا۔

جب چالیس دن اسی حالت میں گزر گئے تو ہم تینوں کو حکم ہوا کہ ہم اپنی بیویوں سے بھی الگ رہیں۔ میں نے پوچھا طلاق دے دوں؟ جواب ملا۔ نہیں بس الگ رہو۔ ہلال بن امیہ کی بیوی آپ ﷺ کے پاس گئی اور کہنے لگی۔ ہلال ابن امیہ نہایت کمزور ہے۔ وہ اکیلا نہیں رہ سکتا۔ آپ ﷺ نے اسے اپنے خاوند کے پاس رہنے کی اجازت دے دی۔ مگر صحبت کی اجازت نہ دی۔ میں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ تم اپنے میکے چلی جاؤ۔ انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس معاملہ کا فیصلہ کر دے۔

آخر (پچاس دن گزرنے کے بعد) اللہ تعالیٰ نے ہماری معافی کا حکم رسول اللہ ﷺ پر اتارا۔ اس وقت تہائی رات باقی تھی۔ اور آپ ﷺ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں

تھے۔ام سلمہ رضی اللہ عنہا میری بھلائی کی فکر میں تھیں اور میری مدد کرنا چاہتی تھیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہا۔ام سلمہ رضی اللہ عنہا! کعب بن مالک کی توبہ قبول ہوگئی۔انہوں نے کہا میں کعب کو مبارک باد کہلا بھیجوں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ ہجوم کر آئیں گے اور تمہاری نیند خراب کر دیں گے۔پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھی تو لوگوں کو ہماری توبہ قبول ہونے کی خبر دی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی کوئی اچھی خبر ملتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ یوں چمکنے لگتا جیسے چاند کا ٹکڑا ہو۔ہم تین آدمیوں کے لیے جن کا معاملہ التوا میں ڈال دیا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے معافی کا حکم اتارا۔باقی جن لوگوں نے بہانے تراشے ان کا ذکر بری طرح کیا گیا۔ (بخاری۔کتاب التفسیر)

اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول ہونے کے بارے ارشاد فرمایا:

﴿وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۝﴾ (التوبہ:۱۱۸)

(اور ان تین آدمیوں پر بھی (مہربانی کی) جن کا معاملہ ملتوی رکھا گیا تھا حتی کہ زمین اپنی فراخی کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی اپنی جانیں بھی تنگ ہوگئیں اور انہیں یہ یقین تھا کہ اللہ کے سوا ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں۔پھر اللہ نے ان پر مہربانی کی تاکہ وہ توبہ کریں۔اللہ تعالیٰ یقیناً توبہ قبول کرنے اور رحم کرنے والا ہے۔)

سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں کا قصہ بیان کرتے ہوئے کہا کرتے۔اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ اللہ نے کسی کو سچ کہنے کی توفیق دے کر اس پر اتنا احسان کیا ہو جیسا کہ مجھ پر کیا۔میں نے اس وقت سے لے کر آج تک قصداً جھوٹ نہیں بولا اور اللہ تعالیٰ نے اسی بارے یہ آیات نازل کیں۔لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ .... كُوْنُوْا مع الصّٰدِقِيْنَ۝ (بخاری۔کتاب التفسیر)

انفاق فی سبیل اللہ:

تقویٰ حاصل کرنے کا ایک بہترین ذریعہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کی تعریف فرمائی۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۝ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ۝﴾ (اللیل: ۱۷، ۱۸)

(جو بڑا پرہیز گار ہوگا اسے اس (جہنم) سے دور رکھا جائے گا جس نے پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دیا۔)

جو لوگ اپنی ساری زندگی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے گزار دیتے ہیں ان کو جہنم کی ہوا تک نہ لگے گی۔ انہیں جہنم سے صاف بچالیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اپنا مال شہرت یا نمود ونمائش کے لیے نہیں خرچ کرتے بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کا دل بخل کے مرض سے پاک ہو جائے۔

بہت سی روایات اس بات پر شاہد ہیں کہ یہ آیات سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئیں۔ آپ رضی اللہ عنہ آزاد مردوں میں سب سے پہلے اسلام لائے تھے۔ کپڑے کے مالدار تاجر تھے۔ ان دنوں غلاموں کو ان کے کافر مالک بری طرح زدوکوب کرتے اور انہیں ایذائیں دیتے تھے۔ ان غلاموں کی یہ کیفیت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے برداشت نہ ہوتی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان غلاموں کی منہ مانگی قیمت دے کر انہیں خرید کر آزاد کر دیتے۔ اس طرح آپ رضی اللہ عنہ نے سترہ غلاموں کو کافروں کی چیرہ دستیوں سے نجات دلا کر آزاد کیا۔ غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی خاطر کسی بھی جانی' مالی قربانی دینے سے دریغ نہ کیا۔ ایسے ہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اَتْقٰی یعنی سب سے زیادہ پرہیز گار کہا۔ مال کو فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی فضیلت بہت سی آیات سے واضح ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ﴾ (التوبہ: ۱۱۱)

(اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں۔)

اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان کرنا اور اپنا مال خرچ کرنا دونوں کا بدلہ جنت ہے۔ قابلِ غور

بات یہ ہے کہ حقیقت میں تو ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اس نے یہ چیزیں بطورِ امانت ہمیں دی ہوئی ہیں اور ان میں تصرف کا اختیار بھی ہمیں دے رکھا ہے۔ اس اختیار سے دستبردار ہونے اور اس اختیار کو اللہ کی رضا کے تابع بنا دینے کی قیمت یہ ہے کہ اللہ ہمیں جنت عطا فرمائے گا۔

ویسے بھی انفاق فی سبیل اللہ کرنے سے اللہ تعالیٰ مال و دولت میں برکت عطا فرماتے ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر دن جس میں بندے صبح کرتے ہیں دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہتا ہے۔ اے اللہ خرچ کرنے والے کو بہترین بدلہ عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے۔ اے اللہ! روک کر رکھنے والے کے حصے میں ہلاکت کر۔ (بخاری، مسلم)

انفاق فی سبیل اللہ کے بارے ہی نبی اکرم کا صلی اللہ علیہ وسلم ارشادِ گرامی ہے:

(اِتَّقُوا النَّارَ وَلَو بِشِقِّ تَمْرَةٍ.) (بخاری)

((صدقہ کر کے) جہنم سے بچو۔ اگر چہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی ہو۔)

چوتھا ذریعہ روزہ:

روزہ اسلام کی ایسی عبادت ہے جسے اسلام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ روزہ اپنے اندر ایک عجیب خصوصیت رکھتا ہے۔ یہ ریا کاری اور دکھاوے سے کوسوں دور اور چشم اغیار سے پوشیدہ، سراپا اخلاص اور عابد و معبود، ساجد و مسجود کے درمیان ایک راز ہے۔ اس کا علم روزہ دار اور حق تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کو نہیں ہوتا۔ جیسے دیگر عبادات نماز، حج، جہاد وغیرہ کی ایک ظاہری ہیئت و صورت ہوتی ہے۔ روزے کی اس طرح کوئی ظاہری شکل و صورت نہیں جس کی وجہ سے کوئی دیکھنے والا ادراک کر سکے۔ جیسے روزہ رازق و مرزوق اور مالک و مملوک کے درمیان ایک سرّ و راز ہے۔ اسی طرح اس کے ثواب کا بھی عجیب معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ روزے کا بدلہ اور ثواب جب عطا کرے گا تو فرشتوں کو ایک طرف کر دے گا اور اس کا اجر و ثواب خود عطا کرے گا۔ روزے کی فرضیت کا مقصد جو اللہ تعالیٰ نے بتایا وہ یہی ہے کہ تم

گناہوں سے بچ جاؤ۔ متقی بن جاؤ۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (البقرۃ:۱۸۳) (اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔)

کیوں نہ ہو کہ یہ مہینہ ایسا ہے جس میں انسان پر نیکیوں کا غلبہ ہوتا ہے اور برائیوں سے دور رہتا ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں:

(اذا دخل شهر رمضان فتحت ابواب السماء وفي رواية فتحت ابواب الجنة وغلقت ابواب جهنم و سلسلت الشياطين.) (متفق علیہ) (جب رمضان المبارک کا مہینہ داخل ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے ایک روایت میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔)

روزے کا مقصد:

اللہ وحدہ لاشریک نے روزہ کا مقصد تقویٰ و پرہیز گاری، خوفِ باری تعالیٰ اور للّٰہیت بتایا ہے۔ روزہ انسان کو ایک ایسی قوت برداشت سکھاتا ہے۔ جس کی بنا پر انسان اپنے نفس پر کنٹرول کر سکتا ہے۔ روزے رکھنے سے انسان کے اندر ایسا ملکہ پیدا ہوتا ہے جس کے باعث آدمی اپنے آپ کو تمام اعمال سوء اور اخلاق رذیلہ سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اس کے لیل و نہار رسومات قبیحہ سے مبرا اور صاف و شفاف ہو جاتے ہیں۔ شب و روز ذکر باری تعالیٰ، تقویٰ و پرہیز گاری، حلاوتِ ایمانی، رکوع و سجود، تسبیح و تہلیل، خشوع و خضوع، صبر و تحمل، بردباری جیسی صفات عالیہ میں مصروف عمل دکھائی دیتا ہے۔ روزہ انسان کو ایسی عظیم خوبی سے ہمکنار کرتا ہے جس کی وجہ سے یہ محرمات سے اجتناب کر سکتا ہے اور دورانِ روزہ جو اشیاء اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہیں ان سے بچ کر یہ سبق سیکھتا ہے کہ اگر میرے لیے وقتی طور پر حرام اشیاء سے پرہیز کرنا آسان ہے تو مستقل اور ابدی حرام چیزوں سے بچنا کوئی مشکل نہیں۔ ارشادِ نبوی ﷺ

ہے۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں:

(مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِي اَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَ شَرَابَهُ.) (بخاری)

(جس آدمی نے روزہ کی حالت میں جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا ترک نہ کیا تو اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی حاجت نہیں۔)

دوسری حدیث میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں:

(وَاِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفَثْ وَلَا يَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّهُ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ اِنِّي اِمْرُؤٌ صَائِمٌ.) (متفق علیہ)

(جب تم میں سے کوئی روزہ دار ہو تو وہ شہوت انگیز گفتگو نہ کرے نہ شور وغوغا سے کام لے اگر کوئی اسے گالی گلوچ کرے یا اس سے لڑائی کرے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔)

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا ہے روزہ دار کو حالت روزہ میں گالی گلوچ، بدکلامی، فحش گوئی، تہمت طرازی، عیب جوئی، دروغ گوئی، جھوٹ کی اشاعت، جھوٹ پر عمل کرنا کذب بیانی، غیبت، چوری، ڈکیتی، زنا، فحاشی، گانا بجانا، گندے لٹریچر شائع کرنا اور پڑھنا، وی سی آر اور ڈش پر حیا سوز پروگرام دیکھنا اور دیگر شیطانی امور سے اجتناب از حد ضروری ہے۔وگرنہ روزے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔جو آدمی بھوکا پیاسا رہ کر امور بالا کا مرتکب ہوگا اس کا روزہ نہیں بلکہ فاقہ ہوگا۔جو انسان صحیح معنوں میں روزہ رکھے اور روزے کی پابندیوں کو بھی ملحوظ خاطر رکھے گا اس سے بڑا متقی انسان کوئی اور نہیں ہوسکتا۔

پانچواں ذریعہ قصاص:

اسلام بنی نوع انسان کے درمیان کامل مساوات کا علمبردار ہے۔رنگ، جنس، نسل وغیرہ کے کسی امتیاز کا روادار نہیں۔ہر انسان کی جان محترم ہے۔ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

(اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ.) (یعنی تمام مسلمانوں کے خون ہم پلہ ہیں۔)

زمانہ جاہلیت میں اس طرح تھا کہ قصاص کے معاملہ میں مقابلتًا زیادہ معزز اور طاقتور

قبیلے کمزور قبیلے کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھتے تھے۔ طاقتور قبیلہ قصاص کے طور پر اپنے ادنیٰ مقتول کے بدلے آزاد کا' اپنی مقتول عورت کے بدلے مرد کا مطالبہ کرتا۔ اگر کمزور قبیلے کا فرد قتل ہو جاتا تو طاقتور قبیلہ اس کے برعکس کرتا یعنی ان کے معزز مقتول کے بدلے اپنے قبیلہ کا ادنی آدمی آزاد کے بدلے غلام قصاص میں دیتے۔ یہودی قبائل' بنونضیر' اور بنوقریظہ کے درمیان بھی ایسی ہی صورت حال تھی۔ بنونضیر زیادہ طاقتور تھے۔ اس لیے اپنے حق میں امتیازی سلوک روا رکھتے تھے۔ حالانکہ ان کی شریعت میں جان کے بدلے جان یعنی صرف قاتل کو قصاص میں قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اسلام نے ان تمام امتیازات کو ختم کر ڈالا اور یہ حکم دیا کہ مقتول کے قصاص میں صرف اس کے قاتل کو قتل کیا جائے خواہ وہ آزاد ہو یا غلام' مرد ہو یا عورت۔ قاتل اور مقتول کی سماجی حیثیت کو کوئی اہمیت نہ دی جائے صرف قاتل کو ہی قتل کیا جائے اور یہی انصاف کی بات ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝﴾ (اے اہل دانش! تمہارے لیے قصاص میں ہی زندگی ہے۔ (یہ قانون اس لیے فرض کیا گیا) تاکہ تم بچ جاؤ۔ (پرہیزگار بنو)) (البقرۃ:۱۷۹)

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ یہ نہایت فصیح و بلیغ جملہ ہے۔ جس پر عرب کے فصحاء عش عش کر اٹھے۔ کیونکہ اس مختصر سے جملہ میں دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ یعنی قصاص بظاہر تو موت ہے۔ مگر حقیقت میں پوری زندگی کا راز اسی میں ہے۔ عرب میں جو فصیح محاورہ استعمال ہوتا تھا۔ اَلْقَتْلُ اَنْفَى الْقَتْلَ یعنی قتل قتل سے ہی مٹتا ہے۔ مگر فی القصاص حٰیوۃ میں بدرجہا زیادہ لطافت' فصاحت و بلاغت ہے اور مضمون بھی بہت زیادہ سما گیا ہے۔ دورِ جاہلیت میں اگر کوئی شخص مارا جاتا تو اس کے قصاص کا کوئی قاعدہ نہ تھا۔ لہٰذا اس کے بدلے دونوں طرف سے ہزاروں خون ہوتے۔ پھر بھی فساد کی جڑ ختم نہ ہوتی تھی۔ عرب کی تمام خانہ جنگیاں جو برس ہا برس تک جاری رہتی تھیں اور عرب کا امن وسکون تباہ ہو چکا تھا اس کی صرف یہی وجہ تھی۔

عقل والوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے۔ اس بات کو اہل عقل وشعور ہی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ کیونکہ بظاہر تو قصاص سے ایک جان تلف ہوتی ہے۔ لیکن گہری نظر سے اگر مشاہدہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ قصاص میں واقعی زندگی ہے۔ اس سے جان کا تحفظ ملتا ہے۔ قصاص کا قانون نافذ ہو تو کوئی کسی کو قتل کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ اسے پتہ ہوگا کہ قتل کرنے پر بدلے میں اسے بھی قتل کیا جائے گا۔ ایک جان کے قاتل کو سزا نہ ملے تو اس کا حوصلہ بڑھتا ہے اور وہ مزید انسانوں کے قتل کا ارتکاب کرتا ہے۔ دوسری طرف مقتول کے ورثاء انتقام کی آگ کو بجھانے کے لیے موقع کی تلاش میں رہتے ہیں اور موقع ملتے ہی قاتل یا اس کے عزیزوں میں سے کسی کو قتل کر ڈالتے ہیں۔ اس طرح قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے سے فریقین میں قتل وخون ریزی کا سلسلہ چل پڑتا ہے۔ اس قسم کے واقعات ہمارے معاشرے میں عام ہیں۔ معاشرے کو بدامنی سے بچانے اور ہر شخص کو جان کا تحفظ دینے کے لیے ضروری ہے کہ قصاص کا حکم نافذ ہو۔

قصاص کے حکم پر عمل کرنے سے معاشرے میں قتل اور خون ریزی خود بخود ختم ہو جائے گی۔ معاشرے میں امن وسکون ہوگا۔ اس قانون پر عمل کرنے سے دلوں میں خوف خدا اور تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔

چھٹا ذریعہ' قلب انسانی:

انسانی جسم میں دل کو مرکزی حیثیت حاصل ہے جب تک یہ صحیح طور پر کام کرتا رہتا ہے سارا جسم ٹھیک رہتا ہے۔ جب یہ خراب ہو جاتا ہے تو سارا جسم ہی خراب ہو جاتا ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ.)) (متفق علیہ)

(خبردار بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے وہ تندرست رہے تو سارا بدن تندرست ہے اگر وہ خراب ہو پڑ جائے تو سارا جسم بیکار ہو جاتا ہے۔ سن لو وہ ٹکڑا دل ہے۔)

ایک دوسری حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری راوی ہیں:

(مَثَلُ الْقَلْبِ كَرِيْشَةٍ بِاَرْضٍ فَلَاةٍ يُقَلِّبُهَا الرِّيَاحُ ظَهْرًا لِبَطْنٍ) (مسند احمد) (دل ایک پر کی طرح ہے۔ میدان میں ہوائیں اسے الٹا سیدھا بدلتی رہتی ہیں۔)

اس حدیث کو ابن ماجہ، طبرانی اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جیسے پرندے کا پر جنگل میں ہواؤں کے زور سے الٹا سیدھا ہوتا رہتا ہے۔ اسی طرح دنیا کے میدان میں جب خواہشاتِ نفسانی کے جھکڑ چلتے ہیں تو دلوں کی یہی کیفیت ہو جاتی ہے۔ کبھی نیکی سے برائی کی طرف مائل ہوتے ہیں اور کبھی برائی سے نیکی کی طرف جھکتے چلے جاتے ہیں۔ جبکہ ایک اور جگہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

(التقوٰی ههنا و اشارا الٰی صَدْرِهٖ) (مسلم۔ کتاب البر والصلہ) (آپ نے سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہے۔)

اس طرح ایک دوسری حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

(اِنَّ اللّٰهَ لَايَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَلَا اِلٰى اَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ) (صحیح مسلم، ابن ماجہ کتاب الزہد) (اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔)

دورِ جاہلیت کے مشہور عرب شاعر زہیر بن ابی سُلمیٰ کے نزدیک بھی انسان دراصل دل ہی کا نام ہے۔ اس کا شعر اس مفہوم کی خوب وضاحت کرتا ہے۔

لسان الفتیٰ نصف و نصف فؤاده   فلم یبق الا صورة اللحم والدّم

''انسان کا نصف اس کی زبان ہے اور نصف اس کا دل ہے۔ اس کے سوا جو باقی ہے وہ تو محض گوشت اور خون ہے۔''

دل کی خرابیاں:

نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق دل ہی تمام خرابیوں کی جڑ ہے اور دل ہی تمام نیکیوں کا منبع ہے۔ دیکھنا چاہیے کہ دل کن وجوہات کی بنا پر خرابیاں پیدا کرتا ہے۔ علامہ ابن

القیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''مدارج السالکین'' جلد اوّل میں دل کو روحانی طور پر بیمار کرنے والی پانچ وجوہات کی نشان دہی کرتے ہیں۔

(۱) برے دوستوں کی کثرت۔

(۲) جھوٹی تمنائیں۔

(۳) اللہ کے سوا دوسری چیزوں پر دل کا اٹک جانا۔

(۴) شکم سیر ہو کر کھانا۔

(۵) نیند کی کثرت۔

دل کا اصل کام یہ ہے کہ اللہ کی طرف لپکتا ہے۔ آخرت کا شیدائی ہوتا ہے۔ راہِ حق کے حجابات کو دور کرتا ہے۔ صراطِ مستقیم کے ڈاکوؤں' عمل اور نفس کی آفات سے خبر دار کرتا ہے۔ کیونکہ دل کو حق تعالیٰ نے روشنی' زندگی' قوت' صحت' اور عزم بخشا ہوتا ہے۔ اگر مذکورہ پانچ روگ دل کو لگ جائیں تو دل کا نور ختم ہو جاتا ہے۔ بصیرت کی آنکھ روشن نہیں رہتی' دل کے کان بہرے ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ ظاہری کان اور زبان کام کر رہے ہوتے ہیں۔

جس کسی کو ان بیماریوں کا شعور و ادراک نہیں ہے وہ زخم لگنے پر بھی تکلیف محسوس نہیں کرتا۔ یعنی جان ہوگی تو زخم تڑپائے گا پھر مردہ دل کیوں کر ٹیس محسوس کرے گا۔ یقین جانیے حقیقی خوشگوار پر لطف اور باکمال زندگی صرف اللہ کی معرفت و محبت سے ہی میسر آتی ہے۔ اس کی یاد سے ہی دل کو سکون ملتا ہے۔ اسی سے ملاقات کا شوق سرور بخشتا ہے۔ کسی خدا رسیدہ بزرگ کا کہنا ہے اہل دنیا چاہے کتنے ہی دولت مند و حکومت کے مالک ہوں وہ اس دنیا سے مسکینی کی حالت میں جاتے ہیں۔ ہزاروں نعمتیں پا کر بھی وہ حقیقی لطف نہیں پا سکتے۔ پوچھا گیا وہ کیسا لطف ہے۔ کہا وہ لطف اللہ کی محبت کا ہے۔ اس سے ملنے کے شوق کا اس کے استقبال اور اس کے سوا ہر چیز سے بے نیازی کا۔ جسے بھی یہ زندہ دل مل جائے وہ اس کی گواہی دے گا اور حقیقی زندگی کا لطف حاصل کرے گا۔

انسان کی یہ پریشانیاں' دل غموں کی آماج گاہ بنا ہوا ہے۔ اس دل میں اللہ سے ملاقات

اور آخرت کی تیاری کے لیے کچھ کرنے کی تڑپ نہیں ہے۔ یہ سب کچھ بری صحبت اور غلط کار لوگوں کے ساتھ کی وجہ سے ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ﴾

(اس دن ظالم اپنے ہاتھ کاٹے گا۔ اور کہے گا اے کاش! میں نے رسول کا راستہ اپنایا ہوتا۔ ہائے افسوس۔ کاش میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے تو میرے پاس نصیحت آ جانے کے بعد مجھے بہکا دیا۔)

(الفرقان: ۲۷، ۲۸)

قیامت والے دن ایسی دوستیوں کا انجام سوائے حسرت اور افسوس کے کچھ نہ ہوگا۔ اسی لیے نیک اور اہلِ تقویٰ لوگوں سے دوستی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

(لَاتُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا يَاْكُلُ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِيٌّ.) (سنن ابی داؤد، ترمذی)

(صرف مومن کی صحبت اختیار کرو۔ نیک لوگ ہی تمہارے دستر خوان پر کھانا کھائیں۔)

اس کے برعکس کافر، منافق اور فاجر لوگوں کی محفل سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدا میں انسان شرکیہ عقائد اور گندی باتوں سے نفرت کرتا ہے۔ لیکن غلط محفلوں میں بیٹھنے سے آہستہ آہستہ اس کا مزاج ان باتوں کا عادی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ پہلے تو نفرت ختم ہوتی ہے پھر وہ خود بھی ان باتوں میں دلچسپی لینا شروع کر دیتا ہے۔ پھر ایک وقت ایسا آتا ہے جب انسان کا دل پوری طرح سیاہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت انسان کا دل اس کی سوچ اور فکر پر اثر انداز ہوتا ہے۔ پھر وہ جو بھی بات سوچے گا غلط اور معصیت کی بات سوچے گا۔ ارشادِ ربانی ہے: مَنْ يَكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ (البقرۃ: ۲۸۳) انجام کار اس کا دل گناہ کے کاموں کو معمولی سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اچھی اور بری محفل اور اس کے نتائج کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھایا ہے:

(اِنَّمَا مَثَلُ الْجَلِیْسُ الصَّالِحِ وَالْجَلِیْسِ السُّوءِ کَحَامِلِ الْمِسْکِ وَنَافِخِ الْکِیْرِ. فحامل الْمِسْکِ اِمَّا اَنْ یُحْذِیَکَ وَاِمَّا اَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ وَاِمَّا اَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِیْحًا طِیِّبَةً وَنَافِخُ الْکِیْرِ اِمَّا اَنْ یُحْرِقَ ثِیَابَکَ وَاِمَّا اَنْ تَجِدَمِنْهُ رِیْحًا خَبِیْثَةً.) (بخاری، کتاب البیوع۔ مسلم)

(نیک اور برے ساتھی کی مثال ایسے ہی ہے جیسے خوشبو والا اور بھٹی جھونکنے والا۔ خوشبو والا یا تو تمھیں خوشبو تحفہ دے گا یا تم اس سے خوشبو خریدو گے۔ یا اس کا خوشگوار جھونکا ہی تمھیں آ لگے گا۔ جبکہ بھٹی جھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا یا کم از کم اس سے تمھیں بدبو ہی پہنچے گی۔)

اس مثال سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ برے آدمی کی مصاحبت ہر طرح نقصان ہی پہنچانے والی ہے۔ اس لیے ہمیں اچھے دوستوں کی رفاقت ڈھونڈنا چاہیے۔

جھوٹی تمنائیں:

دل کی دوسری خرابی یہ ہے کہ انسان میں کثرت سے خواہشات اور تمنائیں انگڑائیاں لینا شروع کر دیتی ہیں۔ کسی کی تمنا مال و دولت کی کثرت ہے۔ کوئی حسین عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ کسی کی خواہش ہے کہ اسے یورپ کے کسی ملک کا ویزا مل جائے اور کوئی یہ چاہتا ہے کہ اسے حکومت و اقتدار مل جائے۔ ان خواہشات کی تکمیل کے لیے پھر انسان حرام و حلال کی بھی تمیز نہیں کرتا۔ جب موت کے وقت حقیقت کا پردہ اس کی آنکھوں سے اٹھے گا تو حسرت و ندامت کے سوا کچھ بھی نہ ہوگا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ (الحشر: ۱۸)

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ ہر نفس کو چاہیے کہ وہ دیکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا آگے بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔)

اس انسان کے لیے مبارک ہو جو نیکی کرنے والا ہو اور نیکی کا حکم دینے والا ہو۔ اور نیک لوگوں کی دوستی کو اختیار کرنے والا ہو۔ بعض دفع صرف نیکی کی چاہت کرنے پر بھی وہ

اجر مل جاتا ہے جیسے کہ اس نے وہ نیکی سرانجام دی ہو۔ مثلاً کوئی آرزو کرے کہ کاش میرے پاس بھی دولت ہوتی تو میں اللہ کے راستہ میں خرچ کرتا اور رشتہ داروں کے ساتھ مالی تعاون کرتا۔" اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزانہ صبح سحری کے وقت ایک فرشتہ ندا کرتا ہے۔ یَا بَاغِی الخیرِ اَقبِلْ۔ اے نیکی کے متلاشی! نیکیوں میں آگے بڑھتا چلا جا۔

غیر اللہ سے محبت:

دل کی بیماریوں میں سے سب سے بڑی بیماری یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں سے اپنے تعلقات اور امیدیں استوار کرے۔ جب آدمی غیر اللہ کا سہارا ڈھونڈ لے تو اللہ تعالیٰ اسے اسی کے سپرد کر دیتا ہے۔ اسے ذلتوں اور رسوائیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ غیر اللہ کا سہارا رکھنے والا ایسے ہی ہے جیسے مکڑی کا گھر۔ مکڑی نے جو جال بن کر گھر بنایا ہے اس سے نہ سردی سے بچاؤ ہوگا اور نہ ہی گرمی سے۔ کیا فائدہ ہے ایسے گھر کا جو نہ سردی میں اچھی پناہ گاہ ہو اور نہ ہی گرمی میں۔ غیر اللہ کا سہارا تو بہت ہی کمزور اور ناپائیدار ہے۔

سوال کی ممانعت:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یمن کے لوگ حج کے لیے آتے لیکن زادِراہ یا سفرِ خرچ ساتھ نہ لاتے اور کہتے کہ ہم اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ پھر مکہ پہنچ کر لوگوں سے مانگنا شروع کر دیتے۔ اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (بخاری۔ کتاب المناسک)

ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَ اتَّقُوْنِ يٰاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ (البقرة:١٩٧) (زادِراہ ساتھ لے لیا کرو۔ بہترین زادِراہ تقویٰ ہے۔ اے عقل والو۔ میری نافرمانی سے بچو۔)

ضرورت کے وقت مانگنا اگرچہ ناجائز نہیں۔ مگر اسلام نے سوال کرنا اچھا نہیں سمجھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ بلاضرورت اور پیشہ کے طور پر مانگنا تو بدترین جرم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مانگنے کو عادت بنا لے گا وہ قیامت کو اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت کا ٹکڑا تک نہ ہوگا۔ (بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ)

سیدنا عوف بن مالک اشجعی کہتے ہیں ہم سات آٹھ آدمی نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ پانچ نمازیں ادا کرو۔ اللہ کی فرماں برداری کرو اور ایک بات چپکے سے کہی کہ لوگوں سے کچھ نہ مانگنا'' پھر میں نے ان میں سے بعض افراد کو دیکھا کہ اگر اونٹ سے ان کا کوڑا اگر پڑتا تو کسی سے سوال نہ کرتے کہ وہ انہیں پکڑا دے۔'' (کتاب الزکوۃ)

مسلمانوں کا کسب و عمل پر اعتماد اس یقین کے ساتھ ہوتا ہے کہ وہ صرف اللہ کا محتاج ہے اور کسی کا نہیں اس کا اظہار بھی اس کے آگے کرتا ہے۔ اگر وہ کام خود کرتا ہے تو اس کا بھروسا اللہ تعالیٰ پر ہی ہوتا ہے۔ اگر درمیان میں کوئی رکاوٹ آجائے تو اس کے سوا کسی سے مدد نہیں مانگتا۔ اس لیے کہ اس کا دل غیر اللہ کے تعلق سے بری ہو چکا ہے۔ غیر اللہ سے ایسا تعلق اسے کبھی بھی محبوب نہیں ہوتا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ۝﴾ (آل عمران:١٥٩) (یقیناً اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔)

نبی اکرم نے ستر ہزار لوگوں کے بارے بشارت دی جو بغیر حساب و عذاب جنت میں داخل ہوں گے۔

(هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَكْتَوُوْنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ.) (بخاری و مسلم) (یہ وہ لوگ ہیں جو دم نہیں کرواتے داغ نہیں لگواتے شگون کے لیے پرندے نہیں اڑاتے اور صرف اپنے رب پر ہی بھروسا کرتے ہیں۔)

غیر اللہ سے محبت کرنے والا دنیا میں تو شاید کسی وقت کامیاب ہو جائے مگر آخرت میں اس کے لیے ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کا عذاب ہے جبکہ اللہ پر توکل کرنے والوں کے لیے تو دنیا و آخرت میں کامیابی ہے۔ اور آخرت میں بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخلے کی بشارت ہے۔ اللھم اجعلنا منھم (آمین)

کثرت طعام:

مسلمان کی نظر میں سامانِ خورد ونوش اصل مقصود نہیں۔ وہ اس لیے کھاتا پیتا ہے کہ بدن کو زندہ رکھ سکے اور اللہ کی عبادت کا فریضہ سرانجام دے سکے۔ یہی عبادت اس کے لیے آخرت کی عزت وسعادت کا ذریعہ بن جائے گی۔ اس کا کھانا پینا کسی دنیاوی غرض کے لیے نہیں ہوتا اور نہ محض لذت اور شوق کے لئے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھوک محسوس ہوتی ہے تو کھاتا ہے' پیاس لگتی ہے تو پیتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

(نَحْنُ قَوْمٌ لَانَاكُلُ حَتّٰى نَجُوْعَ وَاِذَا اَكَلْنَا فَلَا نَشْبَعُ.) (ہم بھوک کے بغیر نہیں کھاتے اور جب کھاتے ہیں سیر ہو کر نہیں کھاتے۔)

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں فرمایا ہے:

(مَا مَلَأَ اٰدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا من بطنه حَسْبُ ابنِ اٰدَمَ لُقَيْمَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهٗ فَاِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَثُلُثٌ لطعامه وثُلُث لِشَرابه.) (مسند احمد۔ ابن ماجہ) (انسان پیٹ سے بدتر کوئی برتن نہیں بھرتا۔ ابن آدم کے لیے چند لقمات کافی ہیں۔ جو اسے کھڑا رکھ سکیں۔ اگر زیادہ کا شوق کرتا ہے تو تہائی کھانے کے لئے' تہائی پینے کے لیے اور تہائی سانس کے لیے رکھے۔)

زیادہ کھانے سے بہت سے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً بدہضمی اور ہیضہ کی شکایت ہوتی ہے۔ دوسرا نقصان زیادہ کھانے کا یہ ہے کہ عبادت میں لذت نہیں رہتی۔ کند ذہن ہو جاتا ہے ایسا آدمی حکمت کی باتوں سے محروم رہتا ہے۔ مطالعہ میں دل نہیں لگتا۔ ایسے آدمی میں شفقت اور دوسروں کا احساس نہیں رہتا کیونکہ وہ سب کو اپنے جیسا پیٹ بھرا ہی سمجھتا ہے۔ نیک لوگ مسجد کی طرف جاتے ہیں جبکہ اس کا رخ بیت الخلاء کی طرف ہوتا ہے۔

کثرتِ نوم:

نیند اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ سارے دن کی مسلسل جدوجہد اور حرکت کے بعد رات کے اوقات میں انسان کا نیند کرنا جسم کی زندگی' نشوونما اور تندرستی کے لیے ضروری ہے۔ تاکہ انسان

وہ ذمہ داری پوری کر سکے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا﴾ (النباء:۹) (اور ہم نے تمہاری نیند کو باعث آرام بنایا۔)

نیند کی کثرت انسان کو کاہل اور نکما بنا دیتی ہے۔ طبیعت میں چڑچڑا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ کوئی بھی کام کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ زیادہ نیند لینے والا انسان کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ سانس درست نہیں آتی۔ دل اور بدن کی بیماری لاحق ہو جاتی ہیں۔ وجود کی تندرستی میانہ روی میں ہے۔ جو یہ اختیار کر لے وہ بہت سے بھلائیاں سمیٹ لے گا۔

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ نیند کی کثرت دل کو مردہ کر دیتی ہے جسم کو بوجھل کرتی ہے۔ وقت کو برباد کرتی ہے۔ غفلت اور سستی میں اضافہ کرتی ہے۔ کثرت نوم کی بہت خرابیاں ہیں۔ جو بدن کو نفع دینے کی بجائے نقصان پہنچاتی ہیں۔

نفع بخش نیند وہ ہے جو شدید ضرورت کے وقت آئے۔ رات کے ابتدائی حصہ میں سو جانا قابل تعریف ہے اور آخری شب اُٹھ جانا بہت مفید ہے۔ دوپہر کو قیلولہ کرنا بھی مفید اور سنتِ نبوی ہے۔ لیکن صبح وشام سونا نحوست پھیلاتا ہے۔ خاص کر نماز فجر کے بعد دن چڑھے تک سونا اچھا نہیں ہے ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ راوی ہیں:

(اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ كَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَ الْعِشَاءِ وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا.) (بخاری۔ کتاب مواقیت الصلاۃ)

(نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز سے پہلے سو جانا برا جانتے تھے اسی طرح عشا کی نماز کے بعد باتیں کرنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔)

جو آدمی رات نماز پڑھے بغیر سو جاتا ہے اس کے بارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان اس کی گدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے۔ اور ہر گرہ پر یہ یقین دلاتا ہے کہ ابھی بڑی رات پڑی ہے۔ بے فکر سو جا۔ پھر اگر آدمی جاگا اور اللہ کی یاد کی تو ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ جب وضو کرے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر جب نماز پڑھے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے۔ جب آدمی صبح کرتا ہے تو ہشاش بشاش ہوتا ہے۔ ورنہ صبح کو سست مزاج رہتا ہے۔

(بخاری۔ کتاب التہجد)

جب کہ نبی اکرم ﷺ کو تو اللہ کی طرف سے نصف رات یا کچھ کم یا زیادہ جاگتے رہنے کا حکم ہوا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ۝﴾ (اے کپڑا اوڑھنے والے! رات کا تھوڑا حصہ چھوڑ کر باقی رات (نماز میں) کھڑے رہا کیجیے۔ رات کا نصف حصہ یا اس سے کچھ کم کر لیجیے۔ یا اس سے زیادہ کیجیے اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجیے۔)

یعنی رات کا بھی کچھ حصہ اگر انسان جاگ کر گزارے اور اس میں نوافل کا اہتمام کرے تو یہ انسان کے نفس کی اصلاح کے لیے بہت ہی بہتر ہے۔

زیادہ ہنسنا:

زیادہ ہنسنا بھی دلوں کو خراب کر دیتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ تبسم فرمایا کرتے تھے۔ ہنستے نہیں تھے۔ کیونکہ یہ غفلت اور آخرت فراموشی پر دلالت کرتا ہے۔ جبکہ مسلمان کو ہر وقت فکر آخرت سے مضطرب رہنا چاہیے۔ علمائے سلف کا قول ہے کہ زیادہ ہنسنا دلوں کو مردہ کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلْیَضْحَكُوْا قَلِیْلًا وَّلْیَبْكُوْا كَثِیْرًا ۚ﴾ (التوبہ:۸۲) (انہیں چاہیے کہ تھوڑا ہنسیں اور روئیں زیادہ۔)

حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے سامنے کثرت سے رونا چاہیے اور اگر رونا نہ بھی آئے کم از کم رونے والی شکل بنا لینی چاہیے۔ قیامت والے دن جن سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ عرش کا سایہ مہیا کریں گے ان میں سے ایک وہ ہے جو رات کو اللہ کے خوف سے روتا ہے۔ (متفق علیہ)

دوسری حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ دو آنکھوں کو اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ میں نہیں ڈالیں گے ایک وہ جو رات کو میدانِ جہاد میں پہرہ دیتی ہے اور دوسری وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روتی ہے۔ جب کہ زیادہ ہنسنا مومن کا شیوہ نہیں۔ البتہ تبسم کرنا مسنون ہے۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے۔سیدنا انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں ایسا خطبہ دیا کہ اس جیسا خطبہ میں نے نہیں سنا۔آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم وہ باتیں جان لو جن کا مجھے علم ہے تو تم تھوڑا ہنسو اور زیادہ روؤ۔اس کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے چہرے ڈھانپ لیے اور ان کی آہ وزاری کی آوازیں آرہی تھیں۔(بخاری ومسلم)

ساتواں ذریعہ'فلسفہ قربانی:

قربانی کے معنی یہ ہیں کہ ہر وہ کام جس سے اللہ تعالیٰ کی قربت اور نزدیکی حاصل کی جائے خواہ نماز ہو یا روزہ' زکوٰۃ یا جہاد فی سبیل اللہ۔اصطلاحی معنوں میں قربانی سے مراد وہ جانور ہے جو عید کے دن اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کیا جائے۔ارشادِ ربانی ہے:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (الانعام:۱۶۲)

(کہہ دیں۔بے شک میری نماز' میری قربانی' میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے۔جو جہانوں کا رب ہے۔)

قربانی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سنت کا احیاء ہے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی کی کہ اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کریں۔پھر اس کے فدیہ میں مینڈھا عطا کیا اور خلیل اللہ نے اپنے فرزند کے بدلے اس کو ذبح کیا۔

جانی قربانی سے پہلے مالی قربانی کی ضرورت ہے ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہوتی ہے۔جان و مال دونوں عطیہ الٰہی ہیں۔ضرورت پر جان اور مال دونوں قسم کی قربانی سے دریغ نہ کرنا چاہیے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ ان قربانیوں کا کیا مقصد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔پوچھا اس سے ہمیں کیا ملے گا۔فرمایا ہر بال کے بدلے ایک نیکی۔کہنے لگے اور اون کے بدلے بھی؟ فرمایا۔بھیڑ کی اون کے ہر بال کے بدلے ایک نیکی ملے گی۔(ابن ماجہ۔ترمذی)

بعض لوگ قربانی محض رسم کے طور پر بجالاتے ہیں۔ بعض اس لیے کہ ہمارے بچے آخر دوسروں کی طرف سے گوشت آنے کا کیوں انتظار کرتے رہیں۔ بعض دولت منداس لیے کرتے ہیں کہ دوسرے لوگ انہیں طعنہ نہ دیں۔ بعض اس لیے کوئی موٹا' عمدہ اور قیمتی جانور ذبح کرتے ہیں کہ لوگوں میں ان کی شہرت ہو۔ بعض بخل سے کام لے کر کوئی کمزور اور عیب دار قسم کا جانور قربان کر دیتے ہیں۔ ایسے سب لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ آیا اس بندہ نے جو قربانی کی ہے وہ اللہ کی احسان مندی اور شکر بجالاتے ہوئے شوق ومحبت سے کی ہے یا نہیں۔ اگر کسی کی نیت ہی اچھی نہ ہو تو وہ موٹا تازہ جانور بھی قربان کرے گا تو اس کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

مشرکین کی یہ عادت تھی کہ جب وہ کسی بت کے نام پر کوئی قربانی کا جانور ذبح کرتے تو اسکا گوشت اس کے سامنے رکھ دیتے اور اس کا خون اس کے جسم پر مل دیتے۔ بتوں کے سامنے رکھا ہوا گوشت تو بتوں کے مجاوروں کے کام آتا ہے اور وہی بعد میں ان بتوں کو صاف بھی کر لیتے تھے۔ جب وہ اللہ کے نام کی قربانی کرتے تو بھی گوشت کعبہ کے سامنے لا رکھتے اور خون کعبہ کی دیواروں سے مل دیتے یا اس پر قربانی کے خون کے چھینٹے ڈالتے۔ گویا ان کے خیال کے مطابق قربانی کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ اس کا گوشت اور خون پیش کر دیا جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۭ﴾ (اللہ کو قربانی کے جانوروں کا نہ گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون بلکہ اسے تو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس جاہلی نظریہ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کو نہ تمہارے قربانی کے گوشت کی ضرورت ہے اور نہ خون کی۔ خون تو ویسے ہی حرام اور ناپاک چیز ہے۔ گوشت تم خود بھی کھا سکتے ہو اور دوسروں کو بھی کھلاؤ۔ اللہ تو صرف یہ دیکھتے ہیں کہ تم نے کس نیت' خلوص اور محبت کے ساتھ اللہ کے حضور قربانی پیش کی ہے۔ تمہاری نیت میں جس قدر خلوص ہوگا وہی اللہ کے حضور اس قربانی کی قدر وقیمت ہوگی۔

چنانچہ خلوص نیت سے کی ہوئی قربانی بھی تقویٰ کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔
قربانی کرتے وقت یہ بات ذہن میں ہونا چاہیے کہ اے اللہ آج میں تیرے حکم کے مطابق جانور ذبح کر رہا ہوں۔ جب موقع آئے گا تو تیری راہ میں اپنی جان اور اپنے بچوں کی جان پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری نیتوں کو خالص بنائے۔ (آمین)

شعائر اللہ کی تعظیم:

جو چیزیں اللہ کے نام سے منسوب ہیں انہیں شعائر اللہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً بیت اللہ شریف' حجر اسود' صفا و مروہ' عرفات' منیٰ' قربانی' اذان تمام مساجد وغیرہ۔ ان چیزوں کی توہین' بے حرمتی یا بے ادبی وہی شخص کر سکتا ہے جس کے دل میں اللہ کا خوف نہ ہو اور نہ ہی اس کی محبت۔ ان شعائر کی تعظیم و عزت کرنا تقویٰ کی علامت ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝﴾ (الحج:۳۲)

(جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ بات دلوں کے تقویٰ سے تعلق رکھتی ہے۔)

واضح رہے کہ اللہ کے نام منسوب کردہ اشیاء کی تعظیم یا ادب کرنا شرک نہیں ہے۔ بلکہ عین توحید ہے۔ ان سے دنیاوی فائدہ اٹھانا بھی جائز ہے مثلاً قربانی کے جانور کی اون حاصل کرنا' دودھ دوہنا یا ان سے نسل چلانا وغیرہ۔ قربانی کے جانور سے کوئی فائدہ حاصل نہ کرنا مشرکوں کا کام تھا۔ جس جانور کو کسی بت کے نام منسوب کرتے تو اس سے کچھ فائدہ حاصل کرنا گناہ سمجھتے تھے۔ فائدہ حاصل کرنا تعظیم کے منافی نہیں کیونکہ تعظیم کا تعلق تو دل سے ہے۔ دل میں ان اشیاء کی محبت اور قدر ضرور ہونا چاہیے۔

خواتین کے تقویٰ کی صفات:

بعض ازواج محترمات رضی اللہ عنہن نے رسولِ اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ قرآن میں عام طور پر مردوں کو ہی مخاطب کیا گیا ہے عورتوں کا ذکر کم ہی ہوتا ہے۔ یہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا

محض جذبہ اشتیاق ہی تھا کہ عورتوں کا الگ سے نام لیا جانا چاہیے ورنہ ہر زبان کا اور اسی طرح عربی زبان کا دستور ہے کہ جب کسی مردوں عورتوں کے مشترکہ اجتماع سے خطاب کیا جاتا ہے تو جمع مذکر کا ہی صیغہ استعمال ہوتا ہے جبکہ اس میں عورتیں بھی شمار ہوتی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ احزاب کی کئی آیات میں مردوں کے ساتھ عورتوں کا الگ سے ذکر کیا۔ اور یہ آیت تو خاص عورتوں کے لیے ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ (الاحزاب: ۳۲، ۳۳)

(اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم اللہ سے ڈرتی ہو تو (کسی نامحرم سے) دبی زبان سے بات نہ کرو ورنہ جس شخص کے دل میں روگ ہے وہ کوئی غلط توقع لگا بیٹھے گا لہٰذا صاف سیدھی بات کرو۔ اور اپنے گھروں میں قرار پکڑے رہو۔ پہلے دور جاہلیت کی طرح اپنی زیب وزینت کی نمائش نہ کرتی پھرو نماز قائم کرو زکوٰۃ ادا کرو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔)

اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو آداب سکھا رہے ہیں۔ چونکہ تمام عورتیں انہی کے ماتحت ہیں۔ اس لیے یہ احکام سب مسلمان عورتوں کے لیے ہیں۔ پس فرمایا کہ تم میں سے جو پرہیز گاری اختیار کرے وہ بہت بڑی فضیلت اور مرتبے والی ہیں۔ نامحرم مردوں سے جب تمہیں بات کرنی پڑے تو شیریں اور لوچ دار آواز کی بجائے روکھی اور معقول حد تک بلند آواز میں بات کرو۔ دبی زبان میں ہرگز بات نہ کی جائے جو نرم گوشہ لیے ہوئے ہو۔ لوچ دار اور شیریں آواز بذات خود دل کا مرض ہے۔ پھر اگر مخاطب کے دل میں پہلے سے ہی یہ روگ موجود ہو تو وہ صرف اسی لذیز گفتگو سے کئی غلط قسم کے خیالات اور تصورات دل میں جمانا شروع کر دے گا۔ عورت کی آواز پر اصل پابندی یہ ہے کہ غیر مرد اس کی آواز نہ سننے پائیں یہی وجہ ہے کہ عورت اذان نہیں کہہ سکتی۔ نماز

باجماعت میں اگر امام غلطی کرے تو وہ نہ سبحان اللہ کہہ سکتی ہے اور نہ لقمہ دے سکتی ہے۔ بلکہ اس کے لیے تصفیق کا حکم ہے یعنی ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ مار کر آواز پیدا کر کے متنبہ کرے۔

اس کے بعد فرمایا کہ بغیر کسی ضروری کام کے گھر سے باہر نہ نکلو۔ مسجد میں نماز کے لیے آنا بھی شرعی ضرورت ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔ لیکن انہیں چاہیے کہ سادگی سے جس طرح لوگوں میں رہتی ہیں اسی طرح آئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کے لیے ان کے گھر بہتر ہیں۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں عورت سر تا پا پردے کی چیز ہے۔ یہ جب گھر سے قدم نکالتی ہے تو شیطان جھانکنے لگتا ہے یہ سب سے زیادہ اللہ سے قریب اس وقت ہوتی ہے جبکہ یہ اپنے گھر کے اندرونی حجرے میں ہو۔ ابو داؤد میں ہے عورت کی اپنے گھر کی اندرونی کوٹھری کی نماز گھر کی نماز سے افضل ہے۔ اور گھر کی نماز صحن کی نماز سے بہتر ہے۔ اور صحن کی نماز محلّہ کی مسجد کی نماز سے افضل ہے۔ اور محلّہ کی مسجد میں نماز جامع مسجد کی نماز سے افضل ہے۔ گویا اس آیت کی رو سے گھروں سے باہر آزادانہ آنے جانے پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو عورتوں کا اور بالخصوص ازواجِ النبی ﷺ کا گھر سے باہر بے حجاب پھرنا سخت شاق گزرتا تھا۔ چنانچہ آپ رسولِ اکرم ﷺ سے عرض کرتے تھے کہ آپ ﷺ اپنی بیویوں کو پردہ میں رکھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کی بات پر کچھ خاص توجہ نہ دی۔ آپ ﷺ کی بیویاں اکثر رات کو باہر نکلا کرتیں اور رفع حاجت کے لیے مناصع نامی مقام کی طرف جاتیں۔ ایک رات سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا جو قد کی لمبی تھیں، نکلیں تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ لوگوں میں بیٹھے بیٹھے ہی کہنے لگے۔ سودہ رضی اللہ عنہا! ہم نے تجھے پہچان لیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس توقع پر یہ بات کہی کہ کسی طرح جلد پردہ کا حکم نازل ہو۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حجاب کی آیت نازل فرمائی۔

سرکاری دفتروں کے آزادانہ اختلاط، مخلوط محفلیں، مخلوط تعلیم کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ عورتوں کے لیے نہ ہی جہازوں اور ریل گاڑیوں میں مسافروں کی میزبانی یا گاہکوں میں کشش پیدا کرنے کی خاطر ان کے لیے سیلز مین کے طور پر کام کرنے کی کوئی گنجائش ہے۔

تبرج جس سے منع کیا گیا ہے۔اس سے مراد اپنی زینت‘ جسمانی محاسن اور میک اپ دوسروں کو اور بالخصوص مردوں کو دکھانے کی کوشش کرنا اور اس میں پانچ چیزیں شامل ہیں۔ اپنے جسم کے محاسن کی نمائش‘ زیورات کی نمائش اور جھنکار‘ پہنے ہوئے کپڑوں کی نمائش‘ رفتار میں بانکپن اور ناز و ادا اور خوشبویات کا استعمال جو غیروں کو اپنی طرف متوجہ کرے۔

قصہ مختصر عورتوں کو اپنی آواز پست رکھنے‘ اچھی بات کہنے‘ گھروں سے بلاضرورت نہ نکلنے اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھانے کا حکم دیا گیا۔اس کے بعد نماز قائم کریں‘ زکوٰۃ دیں اور اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی اطاعت کریں۔جن خواتین میں یہ صفات ہوں گی درحقیقت وہ ہی تقویٰ والی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا فرمان عالی شان ہے کہ جو عورت پانچ وقت کی نماز پڑھے‘ ماہِ رمضان کے روزے رکھے‘ اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کرے‘ اپنے شوہر کی فرماں برداری کرے تو وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔(مشکوٰۃ‘ کتاب النکاح)

تقویٰ کے بارے جامع احکام:

ارشادِ ربانی ہے:

نیکی یہی نہیں کہ تم اپنا رخ مشرق یا مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ جو اللہ پر‘ روزِ قیامت پر‘ فرشتوں‘ کتابوں اور نبیوں پر ایمان لائے۔اللہ سے محبت کی خاطر اپنا مال رشتہ داروں‘ یتیموں‘ مسکینوں‘ مسافروں سوال کرنے والوں اور غلامی سے نجات دلانے کے لیے دے۔نماز قائم کرے۔زکوٰۃ ادا کرے جب عہد کریں تو پورا کریں۔ بدحالی‘ مصیبت اور جنگ کے دوران صبر کریں۔ایسے ہی لوگ راست باز ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔(البقرۃ:۱۷۷)

یہ صفات اپنے اندر پیدا کرنے سے ہی دل میں خوفِ خدا اور تقویٰ پیدا ہو سکتا ہے۔اور اللہ کے ہاں عزت تو صرف متقین کے لیے ہی ہے۔

باب:۳

مختلف انبیائے کرامؑ کی اپنی امت کو تقویٰ کی تاکید

ایک مومن کے لیے دین اسلام پر ثابت قدم رہنے کے لیے اللہ کا ڈر اور تقویٰ نہایت ضروری ہے۔اس کے بغیر انسان کسی وقت ڈگمگا سکتا ہے۔یہ ایسا جذبہ ہے جو انسان کو صراط مستقیم پر گامزن رکھتا ہے۔تقویٰ کی اسی اہمیت کے تحت اللہ تعالیٰ نے جہاں مومنین کو بارہا تقویٰ کی تلقین کی وہاں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو بھی تقویٰ کی تاکید کرتے ہیں۔وہ محبوب جو سید الانبیاء ہیں اپنے بارے فرماتے ہیں:

(وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَ اَتْقَاكُمْ لَهُ.)(متفق علیہ) (اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں۔)

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ (الاحزاب:۱) (اے نبی! اللہ سے ڈرتے رہیے اور کافروں اور منافقوں کا کہا نہ مانیے۔بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔)

غزوہ احد میں مسلمانوں کو جو عارضی شکست ہوئی تھی۔اس نے دشمنوں کے حوصلے بڑھا دیئے تھے۔مشرکوں نے دو دفعہ تبلیغ کے لیے قاریوں کا مطالبہ کیا اور انہیں دھوکہ دے کر قتل کر دیا۔مدینہ میں ہر وقت خوف و ہراس کی فضا طاری تھی۔ان حالات میں مسلمانوں کی اخلاقی تربیت اور معاشی اصلاحات کا عمل بھی جاری تھا۔معاشرتی اصلاحات میں ایک نہایت اہم مسئلہ غلامی کا خاتمہ تھا کیونکہ ان غلاموں کو آزاد انسانوں کے مقابلہ میں نہایت حقیر اور کم تر درجہ کی مخلوق سمجھا جاتا تھا۔اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ تھی کہ زید بن حارثہ نبی اکرم ﷺ کا

غلام تھا۔ آپ ﷺ نے اسے آزاد کر کے اپنا متبنّٰی بنالیا۔ چنانچہ لوگ سیدنا زید کو زید بن محمد ﷺ کہا کرتے تھے۔ آزاد شدہ غلاموں کے بارے اسلام کا منشا یہ تھا کہ کم از کم ایسے لوگوں کو آزاد لوگوں کے برابر درجہ دیا جائے۔ چنانچہ اسی منشائے الٰہی کے مطابق آپ ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام اور متبنّٰی زید کے لیے اپنی پھوپھی زاد بہن سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے رشتہ کا مطالبہ کر دیا۔ زینب رضی اللہ عنہا کے خاندان والے معاشرہ میں اونچے درجہ کے لوگ مشہور تھے۔ انہوں نے پہلے تو انکار کر دیا۔ پھر اللہ کی طرف سے وحی آ جانے کے بعد سر تسلیم خم کر دیا۔ اسی طرح سیدنا زید رضی اللہ عنہ اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ہوگئی۔ مگر معاشرتی تفاوت کیوجہ سے یہ تعلقات جلدی بگڑنا شروع ہو گئے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے کئی بار طلاق دینے کا اظہار کیا مگر نبی اکرم ﷺ ان کو سمجھا بجھا کر منع ہی کرتے رہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَی النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ؕ﴾ (الاحزاب:۳۷)

(اور جب آپ ﷺ اس شخص کو جس پر اللہ تعالیٰ اور آپ نے احسان کیا یہ کہہ رہے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو اور اللہ سے ڈرو تو اس وقت آپ ﷺ ایسی بات اپنے دل میں چھپا رہے تھے۔ جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ آپ ﷺ لوگوں سے ڈر رہے تھے۔ حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے آپ ﷺ اس سے ڈریں۔)

عرب معاشرہ میں ایک اور بگاڑ بھی تھا کہ متبنّٰی کو ہر لحاظ سے اپنے حقیقی بیٹوں کی طرح تصور کرتے تھے۔ اس مسئلہ میں بھی اسلام اصلاحی قدم اٹھانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس مشکل کام کے لیے بھی نبی ﷺ کی ذات کو منتخب کیا۔ آپ ﷺ کو اللہ کی طرف سے اشارہ مل گیا کہ اب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ ﷺ سے کیا جائے گا۔ اس اشارتاً حکم الٰہی میں دو طرح کی مصلحتیں تھیں۔ ایک یہ کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جس نے اپنی طبیعت کی ناگواری کے باوجود اللہ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا تھا۔ ان کی آپ ﷺ سے نکاح

کے ذریعے دل جوئی کی جائے اور دوم معاشرہ میں اس غلط نظریہ کا قلع قمع کیا جائے کہ متبنٰی حقیقی بیٹے کی طرح ہوتا ہے۔

جب آپ ﷺ کو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کا اشارہ ملا۔ تو آپ ﷺ کے سامنے وہ تمام خطرات آنے لگے۔ جب سارے دشمن آپ ﷺ کو یہ طعنہ دیں گے کہ ''اس نے اپنی بہو سے نکاح کرلیا۔''

اسی پس منظر میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے براہِ راست اپنے نبی ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ انہیں ان کافروں اور منافقوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ڈرنے کے لائق تو صرف اللہ کی ذات ہے۔ ان باتوں کو نہ سنو اور اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کے حکم پر عمل کرو۔

چنانچہ اسی اہمیت کے پیش نظر تمام انبیائے کرام بھی اپنی اپنی امت کو تقویٰ کی تاکید کرتے رہے۔ نبی اکرم ﷺ تقویٰ کی دعا کیا کرتے تھے:

(اَللّٰھُمَّ اٰتِ نَفْسِی تَقْوٰھَا وَزَکِّھَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکَّاھَا اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلَاھَا.) (مسلم۔ کتاب الذکر والدعا)

(اے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ عنایت فرما اور اسے پاک کردے۔ تو اسے سب سے بہتر پاک کرنے والا ہے۔ تو ہی اس کا نگران اور مددگار ہے۔)

آپ ﷺ سواری پر سوار ہو کر اللہ سے ان الفاظ میں نیکی اور تقویٰ کی توفیق مانگتے تھے:

(اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ فِی سَفَرِنَا ھٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَاتَرْضٰی.) (مسلم۔ کتاب الحج)

(اے اللہ! ہم اپنے سفر میں تجھ سے نیکی اور تقویٰ کا سوال کرتے ہیں۔ اور اس عمل کی توفیق مانگتے ہیں جو تجھے پسند ہے۔)

اسی طرح آپ ﷺ اکثر یہ بھی دعا مانگا کرتے تھے:

(اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَالُكَ الْھُدٰی وَالتُّقٰی والعَفَافَ وَالْغِنٰی.) (مسلم۔ کتاب الذکر والدعا)

(اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت' پرہیز گاری (تقویٰ) پاک دامنی اور (لوگوں سے) بے نیازی کا سوال کرتا ہوں۔)

سیدنا نوح علیہ السلام:

آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پہلے رسول ہیں۔ آپ علیہ السلام کے وقت میں ساری قوم کفر و شرک کی لپیٹ میں آ چکی تھی۔ آپ علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کا علاقہ دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان واقع ہے۔ آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بہت سمجھایا لیکن قوم میں صرف چالیس آدمی ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کو بہت مہلت دی لیکن اس نے اللہ تعالیٰ کے حوصلہ اور حلم سے بدآموزی کے علاوہ کچھ نہ سیکھا۔ سیدنا نوح علیہ السلام نے ان کو ۹۵۰ سال تک تبلیغ کی لیکن انہیں کچھ اثر نہ ہوا بلکہ اور بے باک ہوئے اور کہنے لگے۔ اے نوح علیہ السلام! جس عذاب کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو وہ لے آؤ۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحِ نِ الْمُرْسَلِينَ ٥ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ٥ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ٥ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ٥ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ٥﴾ (الشعراء:۱۰۵تا۱۰۹)

(نوح علیہ السلام کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔ جبکہ ان کے بھائی نوح علیہ السلام نے انہیں کہا۔ کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں۔ میں تمہارے پاس ایک امانت دار رسول ہوں۔ لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں تم سے اس (تبلیغ) پر کچھ صلہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔)

اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ اب تیری قوم سے کوئی ایمان لانے والا نہیں۔ تب سیدنا نوح علیہ السلام نے دعا کی۔ یاالٰہی پھر ان ظالموں کو تباہ ہی کر دیجئے۔ چنانچہ ان کی دعا منظور ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے کشتی تیار کرنے کا حکم دیا۔ کافر مذاق اڑاتے کہ بھلا اس جگہ پر اتنی بڑی کشتی تیار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب کشتی تیار ہوگئی اور قوم کی تباہی کا وقت آ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ آپ علیہ السلام آپ کے گھر والے (علاوہ ان کے جن کے متعلق فیصلہ ہو چکا تھا) اور ایمان دار سب اس میں سوار ہو جاؤ۔ جب سوار ہو گئے تو آسمان سے موسلا دھار بارش شروع ہوئی اور زمین سے پانی کے سوتے بہہ نکلے۔ وہ طوفان باد و باراں آیا کہ الامان والحفیظ۔ قوم غرق ہونے لگی۔ پانی آہستہ آہستہ چڑھنا

شروع ہوا۔ اسی اثنا میں آپ علیہ السلام کا ایک بیٹا پانی میں غوطے کھا رہا تھا۔ آپ نے اس کو آواز دی کہ آ جاؤ اور کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ لیکن وہ نہ مانا اور کہا کہ سامنے پہاڑ پر چڑھ کر اپنی جان بچالوں گا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ آج اللہ کے قہر سے کوئی بچانے والا نہیں۔ آج تو وہی بچے گا جس پر اللہ رحم فرمائے گا۔ یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک موج اٹھی اور اس نافرمان بیٹے کو بہا کر لے گئی۔ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی۔ یا اللہ! میرا بیٹا ڈوبا جاتا ہے۔ اسے بچایئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے نوح! یہ آپ کا بیٹا ہی نہیں ہے۔ بیٹا ہوتا تو نافرمان کیوں ہوتا۔ آپ اس کے متعلق کوئی درخواست نہ کریں۔ غرض اس نالائق اور بدکردار قوم کا اس طرح خاتمہ ہوا۔ کشتی جودی پہاڑ پر آ لگی۔ جو موصل کے قریب ایک پہاڑی ہے۔

سیدنا ہود علیہ السلام:

آپ علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید میں سات جگہ آیا ہے۔ ان کی قوم عاد عرب کے قدیم قبیلہ سامیہ میں سے ایک طاقت ور اور با اقتدار جماعت تھی۔ اس قوم کا زمانہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے تین ہزار قبل اور بعض مورخین کے مطابق دو ہزار سال قبل تسلیم کیا گیا ہے۔ اس قوم کا وطن احقاف ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ یہ علاقہ حضرموت کے شمال میں ہے ان کا دارالخلافہ یمن تھا۔ اس قوم کی سلطنت بڑی مضبوط اور وسیع تھی۔ یہ قوم جسمانی طاقت کے لحاظ سے دنیا کی بے مثال قوم تھی۔ بڑی مغرور اور سرکش، بت پرست، کفر اور شرک میں مبتلا تھی۔ سیدنا نوح علیہ السلام کی قوم کے بت ان کے مرنے کے بعد ان کو مل گئے۔ ان کے علاوہ اور بھی بت بنائے اور انہیں پوجنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کے ایک قبیلہ خلود نامی سے سیدنا ہود علیہ السلام کو نبی بنایا۔ آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو واعظ و نصیحت کی مگر وہ نافرمانی پر اڑ گئے۔ آپ نے عذابِ الٰہی کی دھمکی دی تو قوم نے کہا کہ ہم سے زیادہ کس میں طاقت ہے؟ وہ بدبخت یہ بھول گئے کہ وہ اللہ جو ان کو پیدا کرسکتا ہے وہ ان سے زیادہ قوت والا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿كَذَّبَتْ عَادُ نِ الْمُرْسَلِيْنَ ○ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ○ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ○ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ○ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○﴾ (الشعراء:۱۲۳تا۱۲۷)

(قوم عاد نے رسولوں کو جھٹلایا۔ ان کے بھائی ہود علیہ السلام نے انہیں کہا کہ کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں۔ میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں تم سے اس (تبلیغ) کا کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔)

اس قوم نے سیدنا ہود علیہ السلام کا حکم تو نہ مانا البتہ اپنی حفاظت کے سامان کرنے میں مشغول ہوگئی۔ ان لوگوں نے زمین دوز شہر بنائے۔ بالآخر اس قوم نے چیلنج کیا کہ یہاں اب اپنے خدا کا عذاب لے آؤ۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب پھر ان پر مسلط ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس طاقت ور، جسیم اور قد وقامت والی مخلوق کو اپنی سب سے کمزور اور ضعیف مخلوق ہوا سے مروایا اور ان کے غرور کو خاک میں ملایا۔ وہ ہوا ان پر سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی۔ جس نے ان کا نام ونشان مٹا دیا۔ وہ ہوا ان کو پہاڑوں، غاروں اور زمین دوز سرنگوں سے کھینچ لائی۔ فضائے آسمانی میں تنکوں کی طرح اڑاتی اور اوندھے کر کے گرا دیتی۔ جس سے ان کی گردنیں ٹوٹ جاتیں۔ سر اور دھڑ الگ الگ ہو جاتے۔ اس طرح اس مغرور قوم کو اللہ تعالیٰ نے تباہ وبرباد کر دیا۔

سیدنا صالح علیہ السلام:

ان کا ذکر قرآن مجید میں آٹھ جگہ آیا ہے۔ ثمود آپ کے جد امجد کا نام تھا۔ اسی ثمود کی اولاد قوم ثمود کہلائی۔ قوم ثمود کی بستیاں حجر کے علاقہ میں تھیں۔ حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ تک انہی کی بستیاں تھیں۔ آج اس علاقہ کو ''فج الناقہ'' کہا جاتا ہے۔ ان کا زمانہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے بہت پہلے ہے۔ ان کا مذہب آہستہ آہستہ بت پرستی بن گیا تھا۔ کفر اور شرک کے علاوہ ہر قسم کی بد اخلاقیاں ان میں سرایت کر چکی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں میں سے ایک آدمی صالح علیہ السلام کو نبی بنایا۔ سیدنا صالح علیہ السلام نے ہر ممکن طریقہ سے قوم

کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ ان کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اعلیٰ درجہ کے انجینئر اور سنگ تراش تھے۔ وہ اپنے فن کا مظاہرہ یوں کرتے کہ پہاڑوں میں پتھر تراش تراش کر اپنے عالی شان مکان بنا لیتے تھے۔ اسی طرح پہاڑوں کے اندر ہی اندر انہوں نے بستیاں آباد کر رکھی تھیں۔

سیدنا صالح علیہ السلام سے حجت سے جب لوگ مغلوب ہوئے تو انہوں نے کہا کہ اس سامنے کی پہاڑی سے ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے ایک حاملہ اونٹنی پیدا ہو اور ہمارے دیکھتے دیکھتے بچہ جنے۔ تب ہمیں یقین ہوگا کہ آپ علیہ السلام واقعی اللہ کے نبی ہیں۔ سیدنا صالح علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی۔ حسب استدعا غیر معمولی قد وقامت اور جسامت والی اونٹنی پیدا ہوئی۔ بعض خوش قسمت ایمان لے آئے باقی اس کفر پر اڑے رہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ○ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ○ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ○ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ○ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○﴾ (الشعراء:۱۴۱تا۱۴۵)

(قومِ ثمود نے بھی رسولوں کو جھٹلایا جبکہ ان کے بھائی صالح علیہ السلام نے انہیں کہا تھا۔ کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں۔ میں یقیناً تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔ لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں تم سے اس کام کا کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو اللہ رب العالمین کے پاس ہے۔)

سیدنا صالح علیہ السلام کا یہ خطاب متوسط طبقے سے تھا۔ جو تعداد میں زیادہ مگر چودھری ٹائپ لوگوں کے زیر نگین ہوتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے انہیں سمجھایا کہ اپنے ان چودہریوں اور رئیسوں کی اطاعت چھوڑ دو۔ ان کے ہاتھوں معاشرتی بگاڑ کی اصلاح کبھی نہیں ہو سکتی۔ ان لوگوں سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ اپنے اندر اللہ کا خوف اور تقویٰ پیدا کرو ان کی اطاعت کی بجائے میری اطاعت کرو۔ ان باتوں پر قوم کا خوشحال طبقہ صالح علیہ السلام کا مذاق اڑانے لگا۔

عرب جیسے بے آب وگیاہ ملک میں پانی کی ہمیشہ کمی رہی ہے۔ لہٰذا صالح علیہ السلام نے

مویشیوں کو چرانے اور پانی پلانے کی باری مقرر کردی۔ایک دن چراگاہ میں تمہارے مویشی کنوئیں سے پانی پئیں گے اور ایک دن صرف یہ اونٹنی اکیلی پانی پیا کرے گی۔اور یاد رکھو جس دن اس اونٹنی کو تکلیف پہنچی وہ دن تمہاری تباہی اور بربادی کا ہوگا۔کچھ عرصہ تو قوم اس فیصلے پر کاربند رہی لیکن آہستہ آہستہ اس پابندی کو برداشت کرنا ان کے لیے مشکل ہوگیا۔ ان میں ایک بدکار عورت تھی۔جس کے بہت سے مویشی تھے اور خاصی مال دار تھی۔اس نے اپنے آشنا کو اونٹنی کا قصہ پاک کرنے پر آمادہ کرلیا۔مویشیوں کے لیے پانی اور چارے کے آدھارہ جانے کی وجہ سے سب لوگ اس سے تنگ آئے ہوئے تھے۔لہٰذا سب نے ہاں میں ہاں ملائی۔چنانچہ وہی بدبخت زانی اس کام کیلیے تیار ہوگیا۔نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ وہ اپنی قوم میں سب سے زیادہ بدبخت تھا۔وہ ایک زورآور' شریر اور مضبوط شخص تھا۔جو اپنی قوم میں ابوزمعہ (زبیر رضی اللہ عنہ بن عوام کا چچا) کی طرح تھا۔اور اس کا نام قدار تھا۔

(بخاری۔کتاب التفسیر)

اس بدبخت نے تلوار مار کر اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔سیدنا صالح علیہ السلام کو معلوم ہوا تو بہت افسوس کیا اور کہا اب تین دن کی مہلت ہے کھا پی لو۔آخر تین دن بعد یہ نالائق قوم ایک دہشت ناک آواز سے ہلاک کردی گئی۔سیدنا صالح علیہ السلام نے اس بدبخت قوم کی لاشوں پر کھڑے ہوکر بڑے دردناک الفاظ میں اظہار افسوس کیا اور اپنے ساتھ ایمان لانے والے ایک سو بیس آدمیوں کو لے کر فلسطین کے علاقہ میں چلے گئے۔اس مقام پر رملہ کے قریب آپ علیہ السلام نے وفات پائی۔

سیدنا لوط علیہ السلام:

سیدنا لوط علیہ السلام' سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وطن کو خیرآباد کہا تو اس وقت یہی ایک فرد تھے جو آپ علیہ السلام پر ایمان لائے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت سے سرفراز کیا۔عراق سے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کر کے فلسطین آئے جہاں سدوم اور عمورہ کی بستیاں تھیں وہ علاقہ ان کی تبلیغ کے لیے مقرر ہوا۔آپ کی قوم

شرک اور دوسری بد اخلاقیوں کے علاوہ لواطت میں گرفتار بلکہ اس بدفعلی کی موجد تھی۔ ان لوگوں پر بھی خاندانی منصوبہ بندی کا بھوت سوار تھا۔ اسی لیے شہوت رانی کے فطری طریقہ کو چھوڑ کر لونڈے بازی کا فعل شروع کیا۔ یہ لوگ اپنی غیر فطری روش پر نادم نہیں تھے۔ اس کے علاوہ ڈاکے مارنا' لوگوں کا مال لوٹ لینا' فحش اور بدکاری کے واقعات بھری مجلس میں بیان کرنا معمولی بات تھی۔ سیدنا لوط علیہ السلام نے ان کو بارہا سمجھایا اور اللہ کا خوف دلایا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطِ نِ الْمُرْسَلِينَ ○ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوهُمْ لُوطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ○ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ○ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ○ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○﴾

(لوط علیہ السلام کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔ جب انہیں ان کے بھائی لوط علیہ السلام نے کہا کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں۔ یقیناً میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ لہٰذا اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور میری اطاعت کرو۔ میں اس (تبلیغ) کا تم سے کچھ صلہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔) (الشعراء: ۱۶۰ تا ۱۶۴)

لوط علیہ السلام نے انہیں اللہ کا پیغام سنایا اور ان کی بدفعلیوں کے برے انجام سے ڈرایا تو انہوں نے ان کی بات ماننے کی بجائے ان پر کئی طرح کی پابندیاں لگا دیں۔ انہیں بستی سے نکال دینے کی دھمکیاں دینے لگے۔ ہنسی اور مذاق اڑاتے بالآخر اس قوم کی تباہی اور بربادی کا وقت آن پہنچا۔ جب اس قوم پر عذاب لانے والے فرشتے سیدنا لوط علیہ السلام کے پاس خوبصورت لڑکوں کی شکل میں تشریف لائے۔ قوم کو پتہ چلا تو بدمعاشی کے لیے دوڑتے چلے آئے۔ سیدنا لوط بڑے پریشان ہوئے۔ ان سے جھگڑتے رہے۔ کوئی فائدہ نہ ہوا۔ فرشتوں نے کہا آپ پریشان نہ ہوں۔ ہم آدمی نہیں فرشتے ہیں۔ یہ لوگ ہمارا اور آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ آپ رات کے کسی حصہ میں اس شہر سے نکل جائیں کیونکہ صبح ہوتے ہی اس قوم پر عذاب آجائے گا۔ نصف رات کے وقت فرشتہ ان کی بستیوں کے

علاقہ کو اکھاڑ کر آسمان تک لے گیا اور اوپر سے نیچے پٹخ دیا۔ ساتھ ان پر پتھروں کی بارش بھی ہوتی رہی۔ اوپر جاتے جاتے یہ منحوس قوم تباہ ہوگئی۔ ان بستیوں کو اس زور سے پھینکا گیا کہ یہ زمین سطح سمندر سے 400 میٹر نیچے چلے گئی اور زمین کی سطح پر پانی آ گیا۔ یہی پانی بحر میت اور غرقاب لوطی ہے۔ (تیسیر القرآن)

سیدنا شعیب علیہ السلام:

سیدنا شعیب علیہ السلام خطیب الانبیاء کے لقب سے مشہور ہیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے سسر تھے۔ ان کو اہل مدینہ اور مکہ کی طرف مبعوث کیا گیا۔ ان کی قوم دو تجارتی شاہراؤں کے کراس پر واقع تھی۔ لہٰذا یہ پورا علاقہ ایک مشہور تجارتی مرکز تھا۔ شرک اور دوسری اخلاقی بیماریوں کے علاوہ ان میں جو سب سے بڑا مرض تھا وہ تجارتی ہیرا پھیری تھا۔ ناپ تول میں کمی بیشی کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔ تجارتی بد دیانتیوں کے سارے اسرار و رموز اور فریب کاریوں سے واقف تھے۔ یہی وہ فساد فی الارض اور شریفانہ قسم کی ڈاکہ زنی ہے جس سے سیدنا شعیب علیہ السلام نے منع کیا تھا۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تاکید کی۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿كَذَّبَ أَصْحَٰبُ لْـَٔيْكَةِ ٱلْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝ إِنِّى لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ فَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ وَمَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِىَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ۝﴾ (الشعراء:١٧٦تا١٨٠)

(اصحاب الایکہ (اصحاب مدین) نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔ جب ان سے شعیب علیہ السلام نے کہا۔ کیا تم ڈرتے نہیں۔ میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں تم سے اس (تبلیغ) کا کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔)

اس کے جواب میں قوم نے کہا تمہاری عقل ٹھیک کام نہیں کرتی۔ تم تجارت کے گر اور راز کیا جانو۔ اگر ہم تمہاری باتوں پر عمل کریں تو اپنا سارا سرمایہ ہی ڈبو دیں۔ کیونکہ مقابلہ بڑا

سخت ہے اور اس کے بغیر گزارہ نہیں۔ سیدنا شعیب علیہ السلام کی مدت دعوت ۵۸ برس ہے۔ ان کی قوم پر سایہ والے دن کا عذاب آیا۔ سخت گہرے اور گاڑھے بادل ان پر چھتری کی طرح محیط ہو گئے۔ جو ختم ہونے میں نہ آتے تھے۔ اس کی دہشت سے ہی ان کی تباہی ہوئی۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام:

عیسیٰ بن مریم بنت عمران ہیں۔ بنی اسرائیل کے سب سے آخری نبی ہیں۔ صاحب شریعت عیسوی ہیں۔ آپ کی ولادت بدون مس مرد بواسطہ نفخ جبرئیل ہوئی۔ بنی اسرائیل نے آپ کی ولادت کے متعلق شبہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے والدہ کی گود میں ہی اپنی والدہ کی صفائی پیش کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچپن میں ہی نبوت عطا فرمائی۔ بنی اسرائیل کی شرارت پسند طبیعت آپ کی تعلیم پر مائل نہ ہوئی اور الٹا سیدنا عیسیٰ کے قتل کے درپے ہوئے۔ آپ نے اپنی نبوت کے بے شمار معجزے دکھائے مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ جادوگر سمجھنے لگے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مختلف اطراف میں دین کی تبلیغ کے لیے خلیفہ مقرر کیے۔ آپ کے حواری جو کہ ایمان لا چکے تھے۔ وہ بھی کافروں کے کہنے پر شکوک و شبہات کا اظہار کرنے لگتے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ٥﴾ (المائدۃ:۱۱۲)

(جب حواریوں نے عیسیٰ ابن مریم سے کہا۔ عیسیٰ کیا تمہارا رب یہ کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے خوانِ نعمت نازل کرے۔ عیسیٰ نے کہا اگر تم ایمان لے آئے ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ (اور ایسا مطالبہ نہ کرو۔)

اس مطالبہ کی انہوں نے تین وجوہات بتائیں۔ ایک یہ کہ ہم فکر معاش کے دھندوں سے آزاد ہو کر اللہ کی عبادت کر سکیں۔ دوم ہمیں یہ یقین حاصل ہو جائے کہ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں بالکل حقیقت ہے اور اللہ واقعی ہر چیز پر قادر ہے۔ سوم یہ کہ جس دن اس دسترخوان کا نزول ہو ہم اس دن خوشی کا جشن اور عید منائیں۔

انجام کار ایک دن یہودیوں نے آپ علیہ السلام کے مکان کا محاصرہ کر لیا تاکہ آپ کو گرفتار کر کے صلیب پر لٹکائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے آپ کو بجسد عنصری آسمان کی طرف اٹھا لیا اور آپ کی جگہ مخبر ہی کو سولی پر لٹکا یا گیا۔ آپ قیامت کے قریب آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے۔ دجال کو قتل کریں گے۔ اسلام پھیلائیں گے۔ شادی کریں گے اولاد ہوگی اور پھر اس دارِ فانی سے رحلت فرمائیں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روضہ اقدس میں دفن ہوں گے۔

سید الانبیاء جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نسب عدنان سے ہوتا ہوا ۵۳ واسطوں سے سیدنا اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ چونکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام ۱۸۹۲ قبل مسیح ہیں۔ اور آپ ۵۷۱ بعد مسیح ہیں۔ اس لیے درمیانی زمانہ ۲۴۶۳ برس ہے۔ والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ تھا۔ آپ اپنے والد کی وفات کے چھ ماہ بعد پیدا ہوئے۔ کوئی بہن بھائی نہ تھا۔ چھ برس کی عمر میں ابواء نامی جگہ پر والدہ کی آغوش محبت سے بھی محروم ہو گئے۔ دو برس بعد دادا عبدالمطلب بھی فوت ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب نے ۵۲ برس کی عمر تک خوب نگرانی کی۔ بعثت سے قبل دو دفعہ تعمیر کعبہ میں شریک ہوئے۔ ۴۰ برس کی عمر میں غارِ حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں کو لا الہ الا اللہ کی دعوت دی تو تمام عرب جو پہلے بہت عزت کرتے تھے۔ واضح دشمنی پر اتر آئے۔ ۱۳ برس تک مکہ میں دعوت و تبلیغ کے کام میں مصروف رہے۔ ادھر قریش کی خون آشام طبیعتیں بھڑک اٹھیں اور مکہ کے مختلف قبائل نے مل کر مشورہ کیا اور رات کے وقت انہیں قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے ان کے ارادے کا علم ہو گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہلے ہی آہستہ آہستہ مدینہ کی طرف ہجرت کر چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کا سفر شروع کیا۔ تین دن تک غار ثور میں چھپے رہے پھر اپنے سفر کا آغاز کیا۔ مدینہ میں جا کر سب سے پہلے مسجدِ نبوی کی بنیاد رکھی۔ ۱۰ برس تک مدینہ میں اقامت کی۔ قریش کا غیظ وغضب

پہلے سے بھی بڑھا۔ اب باقاعدہ لڑائیاں شروع ہوئیں۔ غزوہ بدر' احد' خندق اسی کا نتیجہ ہیں۔ دوسری طرف یہود بھی قریش کے مددگار بن گئے۔ چنانچہ بنوقینقاع' بنونظیر اور بنوقریظہ بھی لڑائی پر اترے اور مغلوب ہو کر خیبر چلے گئے اور وہاں سے متفقہ حملہ کا ارادہ کیا۔ بالآخر خیبر بھی فتح ہو گیا۔ مکہ فتح ہو گیا۔ ضدی اور اکھڑ قبائل ہوازن اور ثقیف بھی رام ہو گئے۔ ادھر عیسائی بھی شرارت پر اتر آئے۔ موتہ کے مقام پر رومی شکست کھا گئے۔ جو کہ تبوک کے معرکہ کی بنیاد بنی۔ ۹ ہجری تبوک کی جنگ کا واقعہ پیش آیا۔ اس میں آپ ﷺ بنفس نفیس شامل تھے۔ لیکن اس مقام پر جنگ نہ ہوئی۔ اس سفر میں آپ ﷺ کو بہت سے فوائد حاصل ہوئے واپسی پر آپ ﷺ نے منافقین کی تعمیر کردہ مسجد ضرار کو منہدم کیا۔ اسی سال آپ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنا کر روانہ کیا۔ ۱۰ ہجری میں آپ ﷺ نے خود حج کا فریضہ ادا کیا۔ یہ آپ ﷺ کا پہلا اور آخری حج تھا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ ہجری کو اللہ کے آخری رسول ﷺ نے اس دارِ فانی سے عالم بقا کی طرف کوچ کیا۔ آپ ﷺ مدینہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں دفن ہوئے۔

نبی اکرم ﷺ اپنی پوری زندگی لوگوں کو اللہ کے خوف اور تقویٰ کی تلقین کرتے رہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ (الانعام:۷۲)

(اور نماز قائم کرو۔ اور اس (اللہ) سے ڈرو وہی ہے جس کے پاس تم سب اکٹھے کیے جاؤ گے۔)

حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بن کر نماز قائم کریں۔ اور اللہ سے ڈریں۔ اس آیت میں نماز کی تاکید ہے اور اس کے بعد تقویٰ کا حکم ہے۔ نماز کی پابندی تقویٰ اور للّٰہیت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ

(کہہ دیجئے اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو۔ اپنے رب سے ڈرتے رہو۔ جو لوگ نیک کام کرتے ہیں۔ ان کیلیے اس دنیا میں بھلائی ہے اور

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ○﴾ (الزمر:۱۰)

اللہ کی زمین وسیع ہے۔ بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا پورا اجر بلا حساب دیا جائے گا۔)

اس آیت میں بھی تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے اور فرمایا اگر اپنے وطن میں ایمان وتقویٰ پر عمل مشکل ہو تو وہاں رہنا پسندیدہ نہیں۔ بلکہ وہاں سے ہجرت اختیار کر کے ایسے علاقے میں چلا جانا چاہیے۔ جہاں انسان احکامِ الٰہی کے مطابق زندگی گزار سکے۔ اس تقویٰ کے حصول کے لیے مشکلات بھی یقینی ہیں۔ ان پر صبر کا حکم ہے اور صبر پر اجر بھی ہے بے حد وحساب ہوگا۔ نبی اکرم ﷺ نے بار ہا اپنی احادیث میں بھی اللہ سے ڈرنے کی تاکید کی ہے۔ چند ارشاداتِ نبوی ﷺ ملاحظہ فرمائیں:

۱۔(عن معاذ بن جبل قال رسول اللّٰه اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا.)(ترمذی)

(سیدنا معاذ بن جبل سے روایت ہے۔ نبی اکرم نے فرمایا۔ تو جہاں کہیں بھی ہے اللہ سے ڈر اور برائی کے پیچھے نیکی کر۔ نیکی برائی کو مٹا دے گی۔)

۲۔(عن ابی امامة الباهلی قال سمعت رسولَ اللّٰهِ يَخْطُبُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَقَالَ: اِتَّقُوا اللّٰهَ وَصَلُّوا خَمْسَكُمْ وَاَدُّوا زَكَاةَ اَمْوَالِكُمْ وَاَطِيْعُوْا اُمَرَاءَكُم تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ.)(ترمذی)

(ابو امامہ الباہلی سے روایت ہے میں نے نبی اکرم کو فرماتے سنا آپ حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اللہ سے ڈرو۔ پانچ نمازیں ادا کرو۔ اپنے مالوں کی زکوٰۃ دو اور اپنے حاکموں کی اطاعت کرو۔ تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔)

۳۔ (عن النعمان بن بشير اَنَّ اَبَاهُ اَتَى بِهِ رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ: اِنِّي نَحَلْتُ ابْنِي هٰذَا غُلَامًا كَانَ لِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَفَعَلْتَ هٰذَا لِوَلَدِكَ كُلِّهِمْ قَالَ لَا قَالَ: اتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوا فِي اَوْلَادِكُمْ فَرَجَعَ اَبِيْ فَرَدَّ تلك

(نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ میرے باپ مجھے رسولِ اکرم کے پاس لے گئے اور عرض کیا۔ میں نے اپنے اس بیٹے کو بطورِ عطیہ اپنا ایک غلام دیا ہے۔ رسولِ اکرم نے ان سے پوچھا کیا تو نے اپنی سب اولاد کے ساتھ ایسا کیا ہے؟ انہوں نے کہا۔ نہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ سے ڈرو اور اپنی

الصَّدَقَةَ)(متفق علیہ) — اولاد کے درمیان انصاف کرو۔ پس میرے باپ واپس آئے اور وہ دیا ہوا صدقہ واپس لے لیا۔)

۴۔(عن انس قال مرَّ النَّبِیُّ بِامْرأَةٍ تَبْکِیُ عِنْدَ قَبْرٍ فَقَالَ : اِتَّقِی اللّٰهَ وَاصْبِرِیُ .)(ترمذی) — (سیدنا انس سے روایت ہے کہ نبی اکرم ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر پر بیٹھی رو رہی تھے۔ آپ نے اس سے فرمایا۔ اللہ سے ڈر اور صبر کر۔)

غرض تمام انبیاء اپنی اپنی امتوں کو اللہ سے ڈرنے کی تاکید کرتے رہے۔ یہ تقویٰ جب تک انسان میں موجود نہ ہوگا اس وقت تک نہ اس کا کوئی عقیدہ درست ہوسکتا ہے نہ ہی وہ ارکان اسلام کو صحیح طور پر بجالاسکتا ہے اور نہ ہی وہ حقوق العباد کو ادا کرسکتا ہے۔ اللہ کے خوف سے خالی انسان غرور و تکبر کا پتلا' بدخو اور بدطینت ہی ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ قرآن و حدیث میں فرعون' ہامان' نمرود وغیرہ کے تذکرے ملتے ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی لوگوں کے لیے باعثِ عبرت بنایا اور آخرت میں بھی ان کے لیے جہنم کے سخت عذاب ہوں گے۔ جہاں سے نکلنا بھی ممکن نہ ہوگا۔

❁❁❁

باب: پنجم

تقویٰ کے ثمرات

انسان کا اللہ تعالیٰ سے ڈرنا' گناہوں سے بچنا اور حلال وحرام میں تمیز کرنا ایک متقی انسان کی صفات ہیں۔ تقویٰ اللہ کی دوستی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ اللہ کے دوست صرف پرہیزگار ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اِنْ اَوْلِيَاۤءُ هٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ (اس کے دوست صرف پرہیزگار ہی ہیں۔)

(الانفال:۳۴)

متقی انسان کو اللہ تعالیٰ دین و دنیا کی بھلائیاں عطا فرماتے ہیں۔ اللہ اس کے لیے آسانیاں پیدا فرماتے ہیں۔ اور لوگوں کے دل میں اس کی محبت ڈال دیتے ہیں۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ بندے سے محبت کرتے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام کو بلاتے اور ان سے فرماتے ہیں میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر' پس جبرئیل اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر جبرئیل علیہ السلام آسمان میں منادی کرتے اور کہتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتے ہیں۔ تم بھی اس سے محبت کرو۔ پس آسمان والے بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر اس کے لیے زمین میں قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ (صحیح مسلم)

چنانچہ اللہ تعالیٰ متقیوں کو دنیا میں اس کا بہتر بدلہ عطا فرماتے ہیں۔ اور قیامت والے دن بھی ان کی بہترین عزت افزائی ہوگی۔ چنانچہ اس باب میں ہم جائزہ لیتے ہیں کہ دنیا میں متقین کے لیے کیا کیا انعامات ہیں۔

دنیاوی فوائد:

(۱) متقی اور پرہیزگار لوگ ہی دنیا کی مشکلات اور مصائب سے خلاصی پانے والے

ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾ (الطلاق:٢)

جو اللہ سے ڈرتا ہے۔ اللہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کی راہ پیدا کر دے گا۔

سورۃ الطلاق میں عائلی مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ اللہ فرماتے ہیں گھریلو مسائل اور بالخصوص میاں بیوی کے تعلقات بعض دفعہ ایسی پیچیدہ صورت اختیار کر لیتے ہیں کہ انسان جس قدر انہیں حل کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ مزید الجھتے چلے جاتے ہیں۔ ایسے پریشان کن حالات میں انسان کا طرزِ عمل یہ ہونا چاہیے کہ جو کام بھی کرے اللہ سے ڈر کر کرے۔ اگر واضح احکام موجود ہیں تو ان پر عمل کرے اور اگر واضح احکام نہیں ملتے تو بھی اللہ سے ڈر کو ہی مشعل راہ بنائے۔ اللہ کی منشا معلوم کرنے کے بعد اس پر عمل کرے اور انجام اللہ کے سپرد کر دے۔ آگے ان پیچیدہ حالات سے نکالنا اور ان سے نجات دینا اللہ کا کام ہے۔ وہ خود کوئی راہ سجھا دے گا یا نئی راہ پیدا کر دے گا۔ یہاں اللہ سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ سنت کے مطابق طلاق دے اور سنت کے مطابق ہی رجوع کرے۔

مشکلات میں مددِ الٰہی:

سیدنا عوف بن مالک اشجعی کے بیٹے کو کفار گرفتار کر کے لے گئے اور انہیں جیل خانے میں ڈال دیا۔ ان کے والد رسولِ اکرم ﷺ کے پاس آ کر اپنی اور اپنے بیٹے کی حالت، مصیبت اور تکلیف بیان کرتے رہتے۔ آپ ﷺ انہیں صبر کی تلقین کرتے اور فرماتے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے لیے چھٹکارے کی سبیل بنا دے گا۔ تھوڑے ہی دن گزرے ہوں گے کہ ان کا بیٹا دشمنوں سے نکل بھاگا۔ راستہ میں دشمن کی بکریوں کا ریوڑ ملا۔ جسے وہ اپنے ساتھ ہنکالایا اور بکریاں لیے ہوئے اپنے والد کی خدمت میں جا پہنچا۔ سچ ہے کہ اللہ اپنے متقی بندوں کے لیے راہِ نجات پیدا کر دیتا ہے۔ (ابن کثیر)

مسند احمد میں ہے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ نے میرے سامنے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا۔ اے ابوذر رضی اللہ عنہ! اگر تمام لوگ صرف اسے ہی لے لیں تو کافی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے بار بار اس آیت کی تلاوت کی یہاں تک کہ مجھے اونگھ

آنے لگی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ! تم کیا کرو گے جب تمہیں مدینہ سے نکال دیا جائے گا۔ جواب دیا کہ میں کشادگی اور رحمت کی طرف چلا جاؤں گا یعنی مکہ مکرمہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر کیا کرو گے جب تمہیں وہاں سے بھی نکالا جائے گا۔ میں نے کہا میں شام کی پاک سرزمین میں چلا جاؤں گا۔ فرمایا جب شام سے نکالا جائے گا تو کیا کرے گا۔ میں نے کہا اللہ کی قسم! جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ پھر تو اپنی تلوار کندھے پر رکھ کر مقابلہ پر اتر آؤں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں اس سے بہتر ترکیب نہ بتاؤں۔ میں نے کہا۔ ہاں ضرور ارشاد فرمائیں۔ فرمایا سنتا رہ اور مانتا رہ اگرچہ حبشی غلام ہو۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ سب سے زیادہ کشادگی کا وعدہ اس آیت میں ہے۔ مسندِ احمد میں ہے جو شخص بکثرت استغفار کرتا رہے تو اللہ اسے ہر غم سے نجات اور ہر تنگی سے فراخی عطا کرے گا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے دنیا اور آخرت میں ہر کرب اور بے چینی سے نجات دے گا۔ (ابن کثیر)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی زوجہ سیدہ سارہ کو لے کر نمرود کے ملک سے ہجرت کر گئے۔ ایک بستی میں پہنچے وہاں کا بادشاہ ظالم تھا۔ کسی نے اس کو خبر دی کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نہایت خوبصورت عورت کو لے کر آئے ہیں۔ اس نے پچھوایا کہ یہ عورت کون ہے۔ انہوں نے کہا کہ میری بہن ہے پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام سارہ کو کہنے لگے کہ تم مجھے جھوٹا مت کرنا۔ میں نے یوں کہہ دیا ہے۔ اللہ کی قسم! اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں ہے۔ پھر بادشاہ کے پاس سارہ کو بھیج دیا۔ بادشاہ ان کے پاس گیا۔ وہ وضو کر کے نماز پڑھ رہی تھیں۔ انہوں نے دعا کی۔ یا اللہ! اگر میں تجھ پر اور تیرے پیغمبر پر ایمان لائی ہوں اور میں نے اپنی شرمگاہ کو خاوند کے سوا سب سے بچایا ہے تو اس کافر کا زور مجھ پر مت چلا۔ یہ دعا کرنا ہی تھا کہ کافر زمین پر گر کر کراہنے لگا اور پاؤں مارنے لگا۔ اعرج راوی نے کہا۔ ابوسلمہ نے کہا۔ ابو ہریرہ نے کہا۔ سارہ کہنے لگیں

یا اللہ! اگر یہ کہیں مرگیا تو لوگ کہیں گے میں نے مار ڈالا پھر وہ اچھا ہوگیا اور سارہ کی طرف بڑھا۔ وہ وضو کرکے نماز پڑھنے لگیں۔ اور دعا کی یا اللہ! اگر میں تجھ پر، تیرے پیغمبر پر ایمان لائی ہوں اور خاوند کے سوا سب سے میں نے اپنی شرمگاہ کو بچایا ہے تو اس کافر کا زور مجھ پر مت چلا۔ دعا کرتے ہی وہ کافر پھر گرا اور کراہنے لگا۔ پاؤں زمین پر مارنے لگا۔ ابو ہریرہ نے کہا سارہ کہنے لگیں۔ یا اللہ اگر یہ کافر مرگیا تو لوگ کہیں گے کہ میں نے مار ڈالا۔ خیر وہ اچھا ہوگیا۔ دوسری یا تیسری بار لوگوں سے کہنے لگا۔ خدا کی قسم۔ تم یہ کیسی عورت لائے ہو۔ شیطان ہے۔ اس کو ابراہیم علیہ السلام کے پاس واپس لے جاؤ اور میری طرف سے ایک لونڈی ہاجرہ اسے دو۔ پھر وہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس لوٹ آئیں اور کہنے لگیں تم نے دیکھا۔ اللہ نے کافر کو ذلیل کیا اور ایک لونڈی بھی دلوائی۔ (بخاری کتاب البیوع)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے توریہ سے کام لیا۔ وہ اور سارہ دونوں آدم کی اولاد سے ہیں۔ اس لیے بہن بھائی ہیں۔ سیدہ سارہ کے تقویٰ اور اللہ کے خوف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت کی بھی حفاظت کی اور ساتھ اس کافر سے ایک لونڈی بھی بطورِ تحفہ دلوائی۔

ہمارے والد مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمۃ اللہ علیہ صاحب تیسیر القرآن اپنی نوجوانی میں پونا (بھارت) میں فوج کی ملازمت کرتے تھے۔ ان کے ذمہ اکاؤنٹنگ کا کام تھا۔ اس وقت فوجی قانون میں داڑھی رکھنے کی ممانعت تھی۔ مگر وہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ انہیں پروموشن کا لالچ دیا گیا۔ تنخواہ بڑھانے کا وعدہ کیا مگر انہیں داڑھی منڈوانا منظور نہ تھا۔ ملازمت چھوڑ دی۔ اس کے بعد انہوں نے کتابت کو بطورِ پیشہ اپنایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس فن میں انہیں اتنی عزت عطا فرمائی کہ وقت کے نامور کاتبوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ پہلے اردو کتابت کرتے تھے۔ بعد میں عربی رسم الخط کو اپنایا۔ تقریباً پچاس کے قریب قرآن مجید اپنے ہاتھ سے لکھنے کا انہیں اعزاز حاصل ہے۔ اگر تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا تو بڑے بڑے علماء کو پیچھے چھوڑ گئے۔ ؎ ایں سعادت بزورِ بازو نیست۔

یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے عمل کو ضائع نہیں کرتے۔ اس کو بدلے میں کئی گنا زیادہ انعام واکرام سے نوازتے ہیں۔

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ

فراخیٔ رزق:

تقویٰ کی بدولت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو رزق میں فراخی عطا فرماتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (اور اسے ایسی جگہ سے رزق دے گا جو اس کے وہم وگمان میں بھی نہ ہو۔) (الطلاق:۳)

یہ بھی آیت چونکہ عائلی مسائل کے ضمن میں آتی ہے۔ اس مقام پر رزق کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ انسان دورانِ عدت مطلقہ عورت پر خرچ کرنے اور اس کو بھلے طریقے سے رخصت کرنے میں بخل سے کام نہ لے۔ بلکہ اس سے جتنا بہتر سلوک کرسکتا ہے کرے۔ بعض دفعہ صورت حال ایسی ہوتی ہے کہ میاں بیوی کی آپس میں ٹھنی رہتی ہے مگر عورت صاحب جائیداد ہوتی ہے یا اچھا کما سکتی ہے۔ خاوند اس کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اور اس سے اچھا سلوک کرنے میں بھی ناکام رہتا ہے۔ لہٰذا عورت کو اپنے ہاں لٹکائے رکھتا ہے۔ ایسی سب صورتوں میں اللہ سے ڈرتے ہوئے وہی کام کرنا چاہیے جو اللہ کا حکم ہو۔ تنگ دستی سے نہیں ڈرنا چاہیے کیونکہ اللہ کا وعدہ ہے جو اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اس سے ڈر کر اس کے حکم کے مطابق چلے گا تو اس کی تنگ دستی کو دور کرنا اللہ کے ذمہ ہے۔ وہ اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچانے کا انتظام فرمائے گا جو پہلے اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔

مسند احمد میں ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا گناہ کی وجہ سے انسان اپنی روزی سے محروم ہوجاتا ہے۔ تقدیر کو لوٹانے والی چیز صرف دعا ہے۔ عمر میں زیادتی کرنے والی چیز صرف نیکی اور حسن سلوک ہے۔ گویا صلہ رحمی بھی رزق میں اضافے کا سبب ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

(مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّبْسَطَ لَهٗ فِيْ رِزْقِهٖ وَيُنْسَأَلَهٗ فِيْ اَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ.) (بخاری ومسلم)

(جس شخص کو یہ بات پسند ہے کہ اس کی روزی میں فراخی اور اس کی عمر میں اضافہ کیا جائے تو اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔)

سیدنا مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کے بیٹے سیدنا عوف رضی اللہ عنہ جب کافروں کی قید میں تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بھجوایا بکثرت لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھتا رہے۔ ایک دن یہ اپنی قید سے نکل بھاگے۔ ان لوگوں کی ایک اونٹنی بھی ہاتھ لگ گئی۔ اس پر سوار ہوئے۔ راستہ میں اونٹوں کے ریوڑ ملے انہیں بھی اپنے ساتھ ہنکا لائے۔ وہ لوگ پیچھے دوڑے مگر یہ کسی کے ہاتھ نہ لگے۔ سیدھے اپنے گھر آئے اور دروازہ پر کھڑے ہو کر آواز دی۔ باپ نے آواز سن کر کہا اللہ کی قسم! یہ تو عوف کی آواز ہے۔ ماں نے کہا۔ وہ کہاں وہ تو قید و بند کی مصیبتیں جھیل رہا ہوگا۔ دونوں ماں باپ اور خادم دروازے کی طرف دوڑے تو دیکھا کہ عوف رضی اللہ عنہ ہی ہیں اور ساتھ بہت زیادہ اونٹ ہیں۔ پوچھا یہ اونٹ کہاں سے آئے۔ انہوں نے واقعہ بیان کیا۔ سیدنا مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ٹھہرو میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کر آؤں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ سارا مال تمہارا ہے۔ جیسے چاہو استعمال کرو۔ (ابن کثیر)

معاملات میں آسانی:

جو اللہ تعالیٰ کے لیے تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے معاملات میں آسانیاں پیدا فرما دیتے ہیں۔ اس کی مالی پریشانیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ اولاد کی طرف سے، میل ملاقات کے لوگوں سے وہ راحت اور اطمینان محسوس کرتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا۝﴾ (الطلاق:4)

(جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا۔ اللہ اس کے ہر کام میں آسانی کر دے گا۔)

دنیا سے فتنہ وفساد ختم کر کے اللہ کا دین قائم کرنے کی ذمہ داری ہی حقیقتاً وہ مقصد تھا جس کے لیے اللہ تعالیٰ مختلف ادوار میں انبیاء علیہم السلام کے مقدس گروہ کو وقتاً فوقتاً مبعوث فرماتا رہا۔ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو دنیا ظلم وجور سے بھر چکی تھی۔ اکثر وحشی

قبائل کا پسندیدہ ذریعہ معاش تجارتی قافلوں کو لوٹ کر گزر اوقات کرنا تھا۔ ان قبائل میں جب کبھی جنگ چھڑ جاتی تو سالوں جاری رہتی۔ یہ لوگ خدائے واحد کو بھول کر بت پرست بن گئے تھے۔ ہر قبیلے کا بت جدا جدا تھا۔ جو اللہ کے ہاں سفارشی سمجھا جاتا تھا۔ اس عقیدہ سفارش نے ان کو عصیان و سرکشی کی زندگی پر دلیر بنا دیا تھا۔ ان حالات میں آپ ﷺ نے جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ سرانجام دیا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے مشن کا آغاز عقیدہ توحید اور یوم آخرت پر ایمان اور پرستش اعمال پر استوار کیا۔ مکی زندگی کے مسلسل ۱۳ سال انفرادی اور پرامن جہاد پر صرف کیے۔ آپ ﷺ کی دعوت نے مکہ کے بت پرستوں کو اتنا زیادہ مشتعل کر دیا کہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی جان کے دشمن بن گئے۔

رسولِ اکرم ﷺ نے مسلسل تیرہ سال کی جدوجہد سے ایک مٹھی بھر جماعت تیار کر لی۔ جو اسلام کے شیدائی اور آپ ﷺ کے جانثار تھے۔ قریش مکہ نے ان لوگوں کا عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ ان کے مسلسل ظلم و ستم سہتے سہتے ۱۳ سال بعد ان ظلم رسیدہ لوگوں کو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے جانے کی اجازت مل گئی۔ نبی اکرم ﷺ کو اس دن ہجرت کی اجازت ملی جس دن قریش کے پورے قبائل آپ ﷺ کو جان سے ختم کر دینے کی خفیہ سازش تیار کر کے آپ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کیے بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ نے مدینہ پہنچ کر ایک چھوٹی سی آزاد خود مختار ریاست تشکیل کی۔ اس ریاست کے باشندوں کی تعداد مہاجرین سمیت پانچ سو نفوس سے زائد نہ تھی۔ اس قلیل تعداد کے ساتھ جہادِ فی سبیل اللہ یعنی قتال کا فریضہ سرانجام دینا یقیناً بہت مشکل کام تھا۔ چنانچہ پہلی آیت جو اس سلسلہ میں نازل ہوئی۔ وہ یہ تھی:

﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ﴾ (الحج:۳۹)

(جن مسلمانوں سے لڑائی کی جاتی رہی ہے ان کو بھی (لڑائی کی) اجازت ہے۔ کیونکہ ان پر ظلم ہوا۔ اللہ تعالیٰ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔)

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ﴾ (الانفال:۳۹) (کفار سے اس وقت تک لڑو کہ فتنہ وفساد کا نام نہ رہے اور دین سارا اللہ تعالیٰ کا ہو جائے۔)

چنانچہ ۲ ہجری پہلا بڑا غزوہ بدر جس میں ابو جہل ایک ہزار لشکر جرار لے کر آیا۔ جبکہ مومنین صرف ۳۱۳ کے ارد گرد تھے۔ اس میں کفار کو شکستِ فاش ہوئی۔ ان کے بڑے بڑے ۷۰ سردار مقتول ہوئے اور ۷۰ ہی قیدی بنے۔ ان کا سپہ سالار ابو جہل بھی دو نوجوان لڑکوں کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچا۔

اس کے بعد شوال ۳ ہجری میں غزوہ احد جو کہ قتال اور خون ریزی کے اعتبار سے سب سے بڑا معرکہ تھا۔ نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ سے ایک ہزار کا لشکر لے کر نکلے۔ مگر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر الگ ہو گیا۔ بہانہ یہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ کے اندر رہ کر جنگ کرنے کی میری تجویز مسترد کر دی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ منافق جہاد سے راہ فرار اختیار کرنا چاہتے تھے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو غزوہ بدر میں شرکت سے محروم رہ گئے تھے۔ انہوں نے مشاورت کے موقعہ پر عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! ہم تو اس دن کی تمنا کیا کرتے تھے۔ اب اللہ نے یہ موقع فراہم کیا ہے اور میدان میں نکلنے کا وقت آیا ہے۔ آپ ﷺ دشمن کے مدمقابل تشریف لے چلیں کہیں دشمن یہ نہ سمجھے کہ مسلمان ڈر گئے ہیں۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو اپنی ہی غلطی کی وجہ سے عارضی طور پر شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ نبی اکرم ﷺ کے سامنے کے چار دانت ٹوٹ گئے۔ چہرہ زخمی ہو گیا۔ نچلے ہونٹ سے خون بہنے لگا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے بھی میدانِ جنگ میں آئے۔ حتیٰ کہ کفار مکہ کو اپنی جان بچانا مشکل ہو گئی۔

اس کے بعد ماہ شوال ۴ ہجری میں تمام عرب کے کفار و مشرکین اتحاد کر کے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے دس ہزار کی تعداد میں آئے جبکہ مقابلہ میں مومنین کی تعداد صرف تین ہزار تھی۔ سیدنا سلمان فارسی کے مشورہ پر نبی اکرم ﷺ کے حکم پر مدینہ کے ارد

گرد خندق کھودی گئی۔ صحیح بخاری میں سہیل بن سعد سے مروی ہے۔ ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خندق کھودنے میں مصروف تھے۔ اپنے کندھوں اور کمروں پر اٹھا کر مٹی خندق سے باہر لاتے تھے۔ آپ ﷺ انصار و مہاجرین کے لیے توصیفی کلمات کہتے اور دعا فرماتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ لا عَیْشَ اِلَّا عَیْشَ الْاٰخِرة الٰہی زندگی درحقیقت آخرت کی زندگی ہے۔
فَاغْفِرِ الْمُھَاجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَار (اس میں کامیابی کیلئے) مہاجرین اور انصار کو بخش دے

جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے جواب میں کہتے:

نَحنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوا مُحَمَّدًا ہم جب تک زندہ ہیں۔ محمد ﷺ
عَلَی الجِھَادِ مَابَقِیْنَا اَبَدًا. کے ہاتھ پر جہاد کرنے کی بیعت کی ہے

غزوہ احزاب میں خندق کھودنے کی وجہ سے غزوہ احد جیسا خونی معرکہ تو بپا نہ ہوا لیکن یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جس طرح عرب کی اسلام دشمن قوتیں یک جان ہو کر ریاست مدینہ پر آن حملہ آور ہوئیں۔ اگر غزوہ احزاب میں وہی دوبدو لڑائی کی صورتِ حال پیش آتی تو اس قدر خونریزی ہوتی کہ کشتوں کے پشتے لگ جاتے۔ اس نازک صورتحال کی تصویر کشی خود اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں کی ہے:

﴿وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۝﴾ (الاحزاب:١٠) (اس وقت جب خوف کے مارے آنکھیں پتھرا گئیں۔ کلیجے منہ کو آ گئے اور تم لوگ اللہ کے بارے طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔)

اس غزوہ نے بھی دونوں فریقوں کے ایمان کی اصل حقیقت کھول دی۔ منافقین نے جنگ کی خطرناک صورت حال دیکھ کر کہنا شروع کر دیا۔

﴿مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا۝﴾ (الاحزاب:١٢) (اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدے کیے تھے وہ سب دھوکہ اور فریب تھے۔)

مسلمانوں نے جب کفار کے لشکر چاروں طرف سے آتے دیکھے تو ان کے دل بھی کانپ اٹھے۔ کلیجے خوف کے مارے منہ کو آنے لگے۔ لیکن اس صورت حال میں بھی اہل

ایمان کا ردِعمل بالکل مختلف تھا۔ ارشاد ہے:

﴿هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِیْمَانًا وَّتَسْلِیْمًا﴾ (الاحزاب:۲۲)

(یہ وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ اللہ اور اس کے رسول کی بات سچی تھی۔ اس واقعہ نے ان کے ایمان اور جذبہ تسلیم کو اور بڑھا دیا۔)

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے بغیر جنگ وجدال کے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ نعیم بن مسعود اشجعی در پردہ مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے مختلف قبائل میں ایسی چال چلی کہ ان کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔ ایک دوسرے سے بدگمان ہو گئے اور متحدہ حملہ کا خطرہ ٹل گیا۔ دوسری طرف اللہ نے مشرکین پر ایسی زور کی آندھی چلائی جس نے ان کے خیمے اکھیڑ کر رکھ دیے۔ ہانڈیاں الٹ دیں۔ خیموں کی رسیاں ٹوٹ ٹوٹ کر خیمے ان پر گرنے لگے۔ جس سے ان میں سخت بددلی پھیل گئی۔ اس کے علاوہ اللہ نے فرشتوں کا لشکر بھیج دیا۔ جس نے کفار کے دل میں رعب اور خوف پیدا کر دیا اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے اپنا سامان تک چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔

صحیح بخاری میں سیدنا سلیمان رضی اللہ عنہ بن صرد سے مروی ہے جس وقت اللہ تعالیٰ نے کفار کی فوجوں کو واپس کیا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا "اب ہم ان سے لڑنے کے لیے ان کے شہروں میں جائیں گے وہ ہم سے لڑنے کے لیے ہمارے شہر میں نہیں آئیں گے۔"

چنانچہ غزوہ بنوقریظہ' غزوہ خیبر' جنگ موتہ' غزوہ فتح مکہ' غزوہ حنین اور غزوہ تبوک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ دشمن پر حملہ کیا اور اللہ کے فضل وکرم سے ہر میدان میں فتحیاب ہو کر آئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد مدینہ آنے والے وفود کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اسلامی لشکر جو فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار سپاہ پر مشتمل تھا۔ اس کی تعداد غزوہ تبوک میں جبکہ ابھی فتح مکہ کو سال بھی نہ گزرا تھا۔ اتنی بڑھ گئی کہ وہ تیس ہزار فوجیوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر

میں تبدیل ہو گیا۔ پھر حجۃ الوداع میں دیکھتے ہیں کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا ایک لاکھ چوالیس ہزار اہل اسلام کا سیلاب امڈ پڑا ہے۔ جو رسولِ اکرم ﷺ کے گرداگرد اس طرح لبیک پکارتا، تکبیر کہتا اور حمد و تسبیح کے نغمے گنگناتا ہے کہ آفاق گونج اٹھتے ہیں، اور وادی و کوہسار نغمہ توحید سے معمور ہو جاتے ہیں۔

اس طرح آپ ﷺ نے مسلسل اور پیہم معرکہ آرائی میں بیس سال سے اوپر گزار دیئے اور اس دوران آپ ﷺ کو کوئی ایک معاملہ دوسرے سے غافل نہ کر سکا۔ یہاں تک کہ اسلامی دعوت اتنے بڑے پیمانے پر کامیاب ہوئی کہ عقلیں حیران رہ گئیں۔ سارا جزیرۃ العرب آپ ﷺ کے تابع فرمان ہو گیا۔ جاہلیت کا اندھیرا چھٹ گیا۔ بتوں کو پاش پاش کر دیا گیا۔ توحید کی آوازوں سے فضا گونجنے لگی۔

یہ دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری بہت مشکل کام تھا۔ بسا اوقات نبی اکرم ﷺ کی جان کو بھی خطرہ لاحق ہوا۔ کفار و مشرکین اور یہود نے تقریباً سترہ دفعہ آپ ﷺ کو ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ اور آپ ﷺ نے خود بھی اس مشن کو پورا کرنے کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دی حتی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾ (الشعراء:۳)	((اے نبی!) اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو اس غم میں شاید آپ اپنی جان کو ہلاک کر ڈالیں۔)

اس مشکل ترین کام کو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے آسان بنا دیا اور آپ ﷺ کو عظیم کامیابی عطا فرمائی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور آپ ﷺ کے درجہ اخلاص اور تقویٰ کی مرہونِ منت ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

(واللهِ اِنِّی لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَ اَتْقَاكُمْ لَهُ.) (متفق علیہ)	(اللہ کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والا ہوں۔)

یقیناً اللہ تعالیٰ متقین کے لیے مشکلات کو آسان بنا دیتا ہے۔ جس کی بدولت وہ دنیا اور آخرت میں سرخرو ہوتے ہیں۔

سیدنا طفیل بن عمرو الدوسی اپنے قبیلہ دوس کے سردار تھے۔ اپنے کسی کام سے مکہ آئے۔ ان دنوں مکہ میں نبی اکرم ﷺ اور کفارِ مکہ میں ایمان و کفر کی معرکہ آرائی شروع ہو چکی تھی۔ اپنے قبیلے کا سردار ہونے کی وجہ سے سردارانِ قریش نے بڑی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا اور خاص طور پر انہیں نبی اکرم کے پاس جانے یا ان کی بات سننے سے منع کر دیا۔ ایک دن وہ جب طوافِ کعبہ کے لیے آئے تو ازراہِ احتیاط اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تاکہ ان کے کانوں میں محمد ﷺ کی کوئی آواز نہ آئے۔ ایک دفعہ تو وہ غیر ارادی طور پر ان کے قریب پہنچ گئے اور انہوں نے رسولِ اکرم ﷺ سے بہت اچھی اور عمدہ باتیں سنیں۔ اپنے دل میں کہنے لگے طفیل! تم اپنی قوم کے سردار ہو۔ یہ تمہاری کیسی بے وقوفی ہے کہ کانوں میں روئی ٹھونسے پھر رہے ہو۔ ان کی بات سنو اچھی لگے تو قبول کرو ورنہ انکار کر دو۔ یہ سوچ کر وہ نبی اکرم ﷺ کے پیچھے پیچھے ان کے گھر پہنچ گئے۔ اور انہیں کہا کہ مجھے اپنا پیغام سنائیں۔ نبی اکرم ﷺ نے انہیں سورہ اخلاص اور الفلق سنائیں۔ جب یہ آیات وہ سن چکے تو کہنے لگے۔ بخدا اس سے بہتر کلام میں نے آج تک نہیں سنا چنانچہ وہیں کلمہ طیبہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔

کچھ دن وہ مکہ میں احکامِ اسلام کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ قرآن مجید کا کچھ حصہ زبانی یاد کر لیا۔ اپنی قوم کی طرف جانے لگے تو نبی اکرم ﷺ سے کہنے لگے کہ میں اب واپس جانے کی اجازت چاہتا ہوں۔ میرا قبیلہ میری بات مانتا ہے۔ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے کوئی ایسی نشانی عطا کرے کہ جب میں انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاؤں تو وہ میرے مددگار ہوں۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے لیے دعا کی۔ الٰہی اس کو اس طرح کی نشانی عطا کر جو ہر وقت اس کے کام آئے' جب بھی خیر و خوبی کا قصد کرے۔

جب وہ اپنی بستی کے قریب پہنچے۔ جہاں سے قوم کے در و دیوار صاف نظر آ رہے تھے۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ اچانک ان کی پیشانی پر چراغ کی مانند ایک روشنی چمک رہی ہے۔ انہوں نے دعا کی یا اللہ اس روشنی کو کسی دوسری جگہ منتقل کر دے۔ مبادا میری قوم میرا چہرہ دیکھ کر کہے کہ یہ آبائی دین کو چھوڑنے کی سزا ہے۔ ان کے یہ کہنے پر وہ روشنی ان کے نیزے کے

بالائی حصہ میں آ گئی۔ جب یہ گھر کے قریب پہنچے تو سب سے پہلے والد سے ملاقات ہوئی۔ اپنے والد کو کہتے ہیں اب میرا اور آپ کا کوئی رشتہ نہیں مجھ سے دور رہیں۔ باپ نے پریشان ہو کر پوچھا کیا بات ہے؟ کہنے لگے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میں نے محمد ﷺ کے دین کی پیروی قبول کر لی ہے۔ باپ نے اپنے عزیز بیٹے کی بات سن کر کہا بیٹا! جو تمہارا دین وہی میرا دین۔ چنانچہ باپ غسل کر کے آیا تو انہوں نے اپنے والد کو اسلام کی دعوت دی وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

اس کے بعد بیوی ملنے کے لیے آتی ہے۔ اسے بھی کہا کہ مجھ سے دور رہو۔ وہ کہنے لگی سرتاج! کیا بات ہے؟ طفیل رضی اللہ عنہ کہنے لگے میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور میرا تمہارا رشتہ ختم ہو گیا ہے۔ بیوی کہنے لگی میں بھی وہی دین اختیار کرتی ہوں جو آپ نے قبول کر لیا ہے۔ چنانچہ وہ بھی گئی غسل کر کے آئی۔ انہوں نے اسلام کی دعوت دی اور فرماں بردار بیوی نے اسلام قبول کر لیا۔

قبیلے والے لوگوں نے کچھ ٹال مٹول کی تاہم سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو قبیلہ دوس سے ہی تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے بغیر حیل و حجت کے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ کچھ دیر بعد سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر نبی اکرم ﷺ کی زیارت کے لیے مکہ مکرمہ آئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا۔ طفیل! پیچھے کی کیا صورتحال ہے۔ کہنے لگے کہ دلوں میں پردے پڑے ہیں۔ کفر نے شدت اختیار کر لی ہے۔ یہ سننا تھا کہ رسولِ اکرم اٹھے۔ وضو کیا۔ نماز پڑھی اور دعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں ہماری قوم کے لیے بددعا ہی نہ کر دیں اور وہ ہلاک ہو جائے۔ میں نے کہا ہائے میری قوم کی تباہی۔ مگر نبی رحمت ﷺ فرما رہے تھے الٰہی! قبیلہ دوس کو ہدایت دے۔ الٰہی قبیلہ دوست کو ہدایت دے۔ پھر سیدنا طفیل کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ اپنی قوم کے پاس جائیں۔ ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں اور اسلام کی دعوت دیں۔ اس کے بعد سیدنا طفیل کی دعوت سے تمام کفر و شرک کے اندھیرے چھٹ گئے اور لوگوں کی کثیر تعداد نے نورِ

ہدایت کو قبول کرتے ہوئے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔

یہ ساری محنت اور کوشش سیدنا طفیل بن عمرو الدوسی کی تھی۔ انہوں نے جب اسلام قبول کیا۔ اللہ کا ڈر اور تقویٰ دل میں پیدا ہو گیا۔ اپنی قوم کو بھی اسلام کی دعوت دینے کے لیے نکلے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام کام آسان کر دیئے۔ گھر والوں نے فوراً کلمہ طیبہ کا اقرار کر لیا۔ جبکہ قبیلے والوں نے بھی نبی رحمت ﷺ کی دعا کے بعد اسلام قبول کرنے میں دیر نہیں لگائی۔ انہیں میں سے اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی اسلام سے سرفراز کیا جن سے کتب احادیث میں کثیر روایات مروی ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ○ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ○﴾ (جس نے اللہ کے راستہ میں اپنا مال دیا اور تقویٰ اختیار کیا۔ بھلی باتوں کی تصدیق کی۔ تو ہم اسے آسان راہ پر چلائیں گے۔) (سورۃ اللیل: ۵ تا ۷)

جب انسان عزمِ صمیم کے ساتھ اللہ کی رضامندی کے لیے نکل پڑتا ہے تو راستے کی تمام مشکلات اور مصائب کو اللہ تعالیٰ دور کر دیتے ہیں۔ اور مقصد کے حصول کو آسان کر دیتے ہیں۔ مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیات سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے نازل ہوئیں۔ جنہوں نے غلام آزاد کیے۔ جنہیں اہل مکہ مسلمان ہونے کی وجہ سے سخت سزا دیتے تھے۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب میں نے ہجرت مدینہ کے سفر میں مشرکوں کے قدموں کی طرف دیکھا اور ہم غارِ ثور میں تھے۔ کفار ہمارے سروں پر تھے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! ان میں سے کوئی اگر اپنے قدموں کی طرف دیکھ لے تو وہ یقیناً ہمیں دیکھ لے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے ابو بکر رضی اللہ عنہ! ان دو کے بارے تمہارا کیا گمان ہے جن کا تیسرا اللہ ہو۔ (یعنی جن کے ساتھ اللہ ہو۔ کوئی ان کا کیا بگاڑ سکتا ہے)۔ (بخاری و مسلم)

بصیرت:

تقویٰ سے انسان میں بصیرت پیدا ہوتی ہے۔ جس کی بنا پر وہ اچھی اور بری چیز میں امتیاز کر سکتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ﴾ (الانفال:۲۹)

اگر تم تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں قوت تمیز عطا کرے گا۔ تمہاری برائیاں دور کردے گا اور تمہیں بخش دے گا۔

جو متقی انسان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کے اندر ایسا نورِ بصیرت اور قوت تمیز پیدا کردے گا جو زندگی کے ہر موڑ پر اس کی رہنمائی کرے گا کہ فلاں کام اللہ کی رضا کے مطابق ہے اور فلاں اس کی مرضی کے خلاف ہے۔ متقی انسان کو اس آیت میں اللہ تعالیٰ تین قسم کے انعامات سے نوازنے کی خوشخبری دے رہے ہیں۔ ایک تو اس میں حق و باطل میں تمیز کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے اس کی برائیوں کو مٹا دیا جاتا ہے اور اس کے بیشتر گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ تقویٰ کے یہ ثمرات اللہ تعالیٰ کے لامحدود فضل و کرم کی وجہ سے ہیں۔

خیر و برکت کا ذریعہ:

تقویٰ اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر و برکات کا نزول ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ متقین پر اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ﴾ (الاعراف:۹۶)

(اگر یہ بستیوں والے ایمان لاتے اور اللہ کی نافرمانی سے بچتے (تقویٰ اختیار کرتے) تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکات کھول دیتے۔)

پچھلی آیات میں سیدنا نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب علیہم السلام کی اقوام کا ذکر ہے۔ کس طرح انہوں نے اپنے نبی کی تکذیب کی۔ ان کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مختلف قسم کے عذاب نازل کیے۔ چنانچہ ایسا ہی ایک عذاب قریش مکہ پر بھی آیا تھا جب ان کی معاندانہ سرگرمیاں حد سے بڑھ گئیں تو آپ ﷺ نے ان کے حق میں بددعا فرمائی۔ یا اللہ! ان پر سیدنا یوسف علیہ السلام کے زمانہ جیسا قحط نازل فرما۔ چنانچہ آپ ﷺ کی دعا قبول ہوئی۔ مکہ میں ایسا قحط پڑا جس میں یہ معززین قریش مردار، ہڈیاں اور چمڑا تک کھانے پر مجبور

ہو گئے۔ باہر سے بھی کہیں سے غلہ نہیں پہنچ رہا تھا۔ ان لوگوں کی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ جب آسمان کی طرف دیکھتے تو بھوک' کمزوری اور نقاہت کی وجہ سے دھواں ہی دھواں نظر آتا تھا۔ قحط سے تنگ آ کر لوگوں نے ابوسفیان کو بھیجا۔ اس نے آ کر آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ تو کہتے ہیں میں رحمت اللعالمین ہوں۔ جبکہ آپ ﷺ کی قوم خشک سالی سے تباہ ہو رہی ہے، ہم آپ ﷺ کو قرابت کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ اس قحط کے دور ہونے کی دعا کیجئے۔ اگر یہ مصیبت دور ہو گئی تو ہم آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی دعا سے بارش ہو گئی۔ باہر سے بھی غلہ آنا شروع ہو گیا۔ جب حالات درست ہو گئے تو پھر یہ کفر اور مخالفت پر ڈٹ گئے۔ (بخاری)

یہاں اللہ تعالیٰ نے ایک اصول بیان فرما دیا ہے جس کی ظاہر بین عقل پرستوں کو کچھ سمجھ نہیں آ سکتی۔ البتہ تجربہ اور مشاہدہ دونوں اس پر گواہ ہیں۔ جس علاقے میں اللہ کے احکامات کی جس حد تک تعمیل کی جا رہی ہو اس علاقہ میں اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول شروع ہو جاتا ہے۔ موجودہ دور میں اس کی مثال کسی حد تک سعودی عرب میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ وہاں اللہ کے احکامات پر عمل کرنے کی وجہ سے مال و دولت کی کثرت موجود ہے۔ جان و مال کا تحفظ اور بے مثال امن و امان ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ کی مقرر کردہ حدود میں سے کسی ایک حد کے قائم کرنے سے اتنی برکات اور رحمتوں کا نزول ہوتا ہے جتنا چالیس دن کی بارش سے ہوتا ہے۔ (نسائی۔ باب قطع السارق)

اللہ تعالیٰ کی معیت:

نیک کام کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے سے دنیا میں جو بہت بڑا فائدہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ساتھ مل جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ﴾ (النحل: ۱۲۸) (بلاشبہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں۔)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشادِ فرماتے ہیں:

﴿وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ۝﴾ (التوبہ:۳۶) (جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے فرماتے ہیں۔ جب بندہ میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں۔ جب وہ میری طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں اس کی طرف دو ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں اور جب وہ میری طرف چلتا ہوا آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑتا ہوا آتا ہوں۔ (بخاری۔ کتاب التوحید)

اس طرح ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ﴾ (یونس:۶۲،۶۳) (جو ایمان لائے اور (اللہ سے) ڈرتے ہیں۔ ان کے لیے دنیا میں بھی خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی۔)

جب بندہ اللہ کے مقرر کردہ فرائض کو ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ کا خوف رکھتے ہوئے اور اس کی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے نوافل کا بھی اہتمام کرتا ہے تو وہ اللہ کا خاص محبوب بندہ بن جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسے اللہ کی خاص مدد حاصل ہو جاتی ہے۔ اللہ اسے اپنی حفاظت میں لے لیتا ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ جس نے میرے کسی دوست سے دشمنی کی، میرا اس سے اعلانِ جنگ ہے۔ میں نے بندے پر جو چیزیں فرض کی ہیں ان سے زیادہ مجھے کوئی چیز محبوب نہیں، جس سے میرا قرب حاصل کرے۔ میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کا

پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے کسی چیز کا سوال کرے تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں اور اگر کسی چیز سے پناہ طلب کرے تو میں اسے ضرور پناہ دیتا ہوں۔
(صحیح بخاری۔ کتاب الرقاق)

اعمال کی قبولیت:

اعمال کی قبولیت کا دارومدار بھی تقویٰ پر ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (المائدہ:٢٧) (اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں سے (ان کے اعمال) قبول فرماتا ہے۔)

تقویٰ کے اخروی فوائد:

جو انسان اللہ کے لیے تقویٰ اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی بھی وقت اسے تنہا نہیں چھوڑتے۔ بلکہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ اس کے مددگار رہوتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (التوبہ:٣٦) اس باب میں ہم جائزہ لیں گے کہ آخرت میں متقین کے لیے کیا کیا فوائد ہیں۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(ا) متقین کی کامیابی:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ (النور:٥٢) (جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اللہ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی سے بچتا رہے تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔)

متقی انسان کی نظر اپنے ذاتی مفادات پر نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنا تمام تر مفاد اس بات میں سمجھتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی دل و جان سے اطاعت کی جائے۔ وہ اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ اللہ کا رسول انہیں کوئی حکم دے جسے وہ بجا لائیں۔ ان کی خوشی اور اطمینان اس بات میں ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے اپنی تمام تر اغراض، خواہشات اور مفادات کو اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی کے تابع بنا دیا تو اللہ بھی ایسے لوگوں کی حمایت و نصرت فرماتے

ہیں وہ دنیا میں بھی انہیں کامیاب بنائیں گے اور آخرت میں ایسے ہی لوگوں کے لیے کامیابی وکامرانی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَسَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (آل عمران:۱۳۳)

(اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑ کر چلو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ وہ (جنت) متقین کے لیے تیار کی گئی ہے۔)

اللہ کی مغفرت کی طرف دوڑ کر جانے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے کام بلا تاخیر کیے جائیں جو اللہ کی مغفرت کا سبب بن سکتے ہیں اور وہ تمام اعمالِ صالحہ ہیں۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا بذاتِ خود اللہ کی بخشش کا بہت بڑا سبب ہے۔ استغفار کے لیے کتاب و سنت میں بہت سی دعائیں مذکور ہیں۔ اور ایک دعا کو تو رسولِ اکرم ﷺ نے سید الاستغفار فرمایا۔ آپ ﷺ صبح وشام نمازوں کے بعد یہ استغفار پڑھا کرتے تھے:

(اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّمَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ فَاِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ.)

(اے اللہ! تو ہی میرا رب ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو نے ہی مجھے پیدا کیا۔ میں تیرا بندہ اور غلام ہوں۔ جہاں تک مجھ سے ہوسکتا ہے میں تیرے عہد اور وعدے پر قائم ہوں۔ جو کچھ میں کرتا ہوں اس کے برے پہلو سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ میں اپنے آپ پر تیری نعمتوں کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا بھی اعتراف کرتا ہوں لہٰذا تو مجھے معاف فرما دے۔ کیونکہ تیرے بغیر کوئی بھی گناہ معاف نہیں کرسکتا۔)

جنت کی طرف دوڑ کر آنے کا بھی یہی مقصد ہے کہ ایسے کام کیے جائیں جن سے جنت کا حصول ممکن ہو جائے۔ جنت کی صفت یہ بیان فرمائی کہ اس کا عرض آسمانوں اور زمین جیسا ہے۔ عرض کا معنی چوڑائی ہے۔ گویا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جیسے آسمانوں اور زمین کی وسعت کا اندازہ کرنا انسان کی بساط سے باہر ہے تو پھر وہ جنت کی وسعت کا کیا اندازہ کر

سکے گا۔ جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ گویا اس سے مقصود جنت کی ایسی لا محدود وسعت کا اظہار ہے جو انسان کے سان وگمان میں بھی نہیں آ سکتی۔ ضمناً اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنت تیار کی جا چکی ہے جیسا کہ جہنم کے بارے میں بھی ایسی ہی آیات ملتی ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (یوسف:۹۰) (جو کوئی (اللہ سے) ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے بہشت میں وہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھیں۔ کسی کان نے نہیں سنیں، کسی آدمی کے خیال میں نہیں آئیں۔ اگر تم چاہو تو (سورۃ السجدہ کی) یہ آیت پڑھو۔

﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (السجدۃ:۱۷) (کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کی کیا چیزیں ان کے لیے چھپا کر رکھی گئی ہیں۔ یہ ان کاموں کا بدلہ ہے جو وہ (دنیا میں) کرتے تھے۔)

(۲) غم اور خوف نہ ہوگا:

قیامت والے دن اللہ تعالیٰ متقین کی خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔ ان کے لیے کسی قسم کا کوئی خوف اور غم نہ ہوگا اور ان کو بڑھا چڑھا کر اجر وثواب عطا کیا جائے گا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (الاعراف:۳۵) (جس شخص نے تقویٰ اختیار کیا اور اپنی اصلاح کر لی تو ایسے لوگوں کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔)

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے جنت کے حصول کا طریقہ بتا دیا۔ جو بھی شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی نافرمانی سے بچتا رہے گا۔ تقویٰ اختیار کر لے گا پچھلے گناہوں کی اصلاح کر لے گا۔ تو اس کے لیے جنت کا حصول کچھ مشکل نہ ہوگا۔ وہاں انہیں کسی قسم کا ڈر، خوف نہ

ہوگا۔ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗ اَجْرًا﴾ (الطلاق:۵)

(جو شخص اللہ سے ڈرے۔اللہ اس کی برائیاں دور کردیتا ہے اور اسے بڑا اجر دیتا ہے۔)

جبکہ ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ (الزمر:۲۰)

(جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ان کے لیے بالا خانے ہیں۔جن کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں۔ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔)

اللہ سے ڈرنے والے اور گناہوں سے بچنے والے لوگ قیامت کے دن جنت کے محلات میں مزے کریں گے۔ان بالا خانوں میں جو کئی کئی منزلوں کے ہیں۔تمام سامان آرائش سے آراستہ ہیں۔نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں جنت میں ایسے محلات ہیں جن کا اندرونی حصہ باہر سے اور بیرونی حصہ اندر سے صاف دکھائی دیتا ہے۔ایک اعرابی نے پوچھا۔یارسول اللہ! یہ کن کے لیے ہیں۔فرمایا ان کے لیے جو نرم کلامی کریں۔کھانا کھلائیں اور راتوں کو جب لوگ میٹھی نیند میں ہوں یہ اللہ کے سامنے کھڑے ہوکر خشوع وخضوع سے نماز پڑھیں (ترمذی) جنت کے ان محلات کے درمیان چشمے بہہ رہے ہیں اور وہ بھی ایسے کہ جہاں چاہیں پانی پہنچائیں اور یہ نہریں دودھ کی شہد کی اور کئی اعلیٰ قسم کے مشروبات کی ہوں گی۔

یہ جنت بالا خانے اور بہتی نہریں انہی لوگوں کے لیے ہوں گے جو کہ تقویٰ اختیار کرنے والے ہیں۔دنیا اور آخرت میں ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبریاں ہیں۔ارشادِ ربانی ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾ (یونس:۶۲،۶۳)

(جو لوگ ایمان لائے اور (اللہ سے) ڈرتے رہے۔ان کے لیے دنیا میں بھی خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی۔)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل کرے جن کے لیے دنیا و آخرت میں انعامات اور خوشخبری ہے۔

باب: ⑤

تقویٰ کے مظاہر

انسان کی فلاح وکامیابی دو چیزوں پر موقوف ہے۔ ایمان اور عمل صالح۔ مگر عام طور پر لوگ ان دونوں میں سست نظر آتے ہیں۔ بعض میں کچھ ایمان ہے تو عمل بالکل نہیں' اگر کچھ عمل ہے تو صحیح ایمان نہیں۔ حالانکہ ایمان وعمل صالح لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان دونوں سے ہی انسان دین ودنیا میں مشکلات ومصائب سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔ جب تک ایمان اور عمل صالح دونوں کو ساتھ ساتھ وجود میں نہ لایا جائے فلاح غیر ممکن ہے۔ عمل صالح کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس میں انسانی اعمال خیر کے تمام گوشے اور جزئیات داخل ہیں۔ ہر قسم کے نیک اور اچھے کام داخل ہیں۔ جیسے سچائی' دیانتداری' امانت داری' شرم وحیا' عدل وانصاف' رحم وکرم' حلم وبردباری' تواضع وخاکساری' احسان' عفو درگزر' ایثار' اخلاص' محبت ومودت' مہمان نوازی' تیمارداری' بیوہ اور یتیم کے ساتھ حسن سلوک' حاجت مندوں کی حاجت برآری' خلق خدا کی خدمت اور خالق کی عبادت وغیرہ سب عمل صالح کی شاخیں ہیں۔ یہی سب کام جو اللہ سے ڈرتے ہوئے اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے کیے جائیں' تقویٰ کے مظاہر ہیں۔

مذکورہ بالا اوصاف اور ان کے علاوہ دیگر محاسن جس میں پائے جائیں گے وہ مسلمان کامل اور متقی انسان ہوگا۔ جس کا ظاہر وباطن پاک صاف ہو۔ اللہ پر اور اس کے رسول پر روزِ قیامت پر یقین رکھنے والا ہو۔ حقوق العباد ادا کرنے والا ہو بلا وجہ نہ جنگ وجدال کرتا ہو' نہ غیبت وچغلی کرتا ہو' نہ بغض وکینہ اور حسد وعناد رکھنے والا ہو اور نہ کسی پر سب وشتم کرتا ہو۔ اس کے علاوہ ہر ایک کا ہمدرد وخیر خواہ ہو۔ نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا گیا۔ کون سا مسلمان

سب سے افضل ہے۔فرمایا:

(اَلْمُسْلِمِ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَ يَدِهٖ.) (بخاری) (مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جابجا متقیوں اور پرہیز گاروں کی بہت تعریف فرمائی ہے کہ یہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔اس باب میں صحیح احادیث کی روشنی میں تقویٰ کے چند ایک مظاہر بیان کیے جاتے ہیں۔

(۱) بنی اسرائیل کے دو افراد کا تقویٰ:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ایک آدمی سے گھر خریدا۔خریدنے والے نے اس گھر (کی زمین) میں سونے سے بھرا ہوا ایک گھڑا پایا۔وہ بیچنے والے سے کہنے لگا۔بھائی یہ گھڑا تم لے جاؤ۔میں نے تم سے گھر خریدا ہے۔یہ سونا نہیں خریدا۔بیچنے والا کہنے لگا۔میں نے گھر بیچا۔اس میں جو کچھ تھا وہ بھی بیچا۔آخر دونوں جھگڑتے ہوئے ایک شخص (سیدنا داؤد علیہ السلام) کے پاس پہنچے اور ساری بات بتائی انہوں نے کہا۔تمہاری کوئی اولاد بھی ہے۔ایک نے کہا میرا لڑکا ہے دوسرے نے کہا میری ایک لڑکی ہے۔انہوں نے کہا۔ایسا کرو ان دونوں کا آپس میں نکاح کر دو۔یہ سونا ان دونوں پر خرچ کرو اور کچھ خیرات بھی کر دو۔(صحیح بخاری۔کتاب بدءالخلق)

یہ دنیا دارالامتحان ہے۔اس دنیا میں ہر انسان کی ہر حال میں آزمائش ہو رہی ہے۔جن چیزوں میں سے انسان کا امتحان ہو رہا ہے ان میں نہایت اہم چیز مال و دولت کی فراوانی ہے۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ہر امت کی ایک آزمائش ہے اور میری امت کی آزمائش مال میں ہے۔(ترمذی)

ارشادِ ربانی ہے:

﴿اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ (التغابن:۱۵) (بے شک تمہارا مال اور تمہاری اولاد ایک آزمائش ہیں۔اور اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔)

فتنہ میں عام طور پر ایسی چیزوں سے آزمائش ہوتی ہے کہ دوسرے تو کیا بسا اوقات خود مفتون کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ وہ کس آزمائش میں پڑ چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ مال اور اولاد میں آزمائش اس طرح کرتا ہے کہ کون ان فانی اور زائل ہونی والی چیزوں میں پھنس کر آخرت کی دائمی نعمتوں کو فراموش کر دیتا ہے۔

اب مال کا معاملہ ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ضروریات زندگی کو مال سے وابستہ کر دیا ہے۔ جس کے پاس زیادہ مال ہو وہ زندگی میں زیادہ آسودگی اور آسائش حاصل کر سکتا ہے۔ جس کے پاس مال کم ہے اس کے تنگدستی کے زیادہ امکانات ہیں۔ اب بنو اسرائیل کے یہ دونوں انسان اس خزانے کو دوسرے کے سپرد کرنے پر مصر ہیں۔ کہیں یہ مال ایسا نہ ہو جس پر ان کا حق نہیں اور اس مال ناحق کی وجہ سے انہیں کوئی اخروی سزا نہ بھگتنا پڑے اور شک والی چیز کو چھوڑ دینا ہی تقویٰ ہے۔ چاہے اس شک والی چیز سے انسان کا کتنا ہی بڑا فائدہ کیوں نہ منسلک ہو۔ ان دونوں متقی انسانوں نے اس مال و دولت سے اللہ کے خوف کی وجہ سے بے اعتنائی برتی اور اللہ تعالیٰ نے انہی کی اولاد کو وہ مال جائز حق کے طور پر لوٹا دیا۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

(دَعْ مَایُرِیْبُکَ اِلٰی مَالَا یُرِیْبُکَ) (شبہے والی چیز کو چھوڑ کر وہ چیزیں اختیار کرو جو شک والی نہیں۔) (ترمذی)

(۲) کفل کا واقعہ:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ بنی اسرائیل میں کفل نامی ایک شخص تھا۔ جو دن رات برائی میں پھنسا رہتا تھا۔ اپنی خواہشاتِ نفس کا غلام تھا۔ اس نے ایک ضرورت مند عورت کو ۶۰ دینار دے کر زنا کاری کے لیے آمادہ کر لیا۔ جب وہ تنہائی میں برے کام کے لیے تیار ہو گیا تو وہ عورت بے اختیار رونا شروع ہو گئی۔ چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ کفل نے حیرانی سے پوچھا کہ اس وقت یہ ڈر اور رونا کیسا؟

اس پاک باز اور شریف النفس لڑکی نے روتے ہوئے جواب دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ

کے عذابوں کا خیال آ رہا ہے۔اس کام کو ہمارے خالق نے حرام قرار دیا ہے۔ میں بھی اپنی ضرورت سے مجبور ہو کر اس برے کام کے لیے تیار ہو گئی۔اب اللہ کا خوف مجھے بے چین کیے دیتا ہے۔ ہائے آج دو گھڑی کا لطف مستقل جان کا روگ بن جائے گا۔اے کفل اللہ کے لیے اس بدکاری سے باز آ جا۔اپنی اور میری جان پر رحم کر۔آخر اللہ کو بھی حساب دینا ہے۔

اس لڑکی کی ایسی پرتاثیر اور سچی باتوں نے کفل پر گہرا اثر ڈالا۔اپنے برے ارادے پر نادم اور شرمندہ ہوا۔عذاب الٰہی کی خوفناک شکلیں اس کی نظروں کے سامنے گھومنے لگیں۔ اور اپنی سیاہ کاریاں یاد کر کے رونے لگا۔قبر کے سانپ' بچھو اس کی نظروں کے سامنے پھرنے لگے۔اپنے دل میں سوچنے لگا کہ مجھے تو اللہ کے عذاب سے بہت زیادہ ڈرنا چاہیے۔اس عورت نے ابھی گناہ کیا نہیں اور یہ اس طرح جہنم کے خوف سے کانپ رہی ہے۔جبکہ میری تو ساری عمر ہی ایسے برے کاموں سے بھری ہوئی ہے۔چنانچہ وہ کہنے لگا اے نیک عورت! گواہ رہ میں آج تیرے سامنے سچے دل سے توبہ کرتا ہوں کہ آئندہ اپنے رب کی ناراضگی کا کوئی کام نہ کروں گا۔اللہ کی نافرمانی کا تصور بھی دل میں نہ لاؤں گا۔میں نے وہ رقم بھی تمہیں اللہ واسطے دی۔اس کے بعد اللہ کے حضور توبہ استغفار کی۔یا الٰہی میرے گناہوں سے درگزر فرمایا۔میری خطائیں معاف کر دے۔ مجھے اپنے دامن عفو میں چھپا لے۔مجھے جہنم کے عذاب سے نجات دے۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اسی رات کفل کا انتقال ہو گیا۔صبح لوگ دیکھتے ہیں کہ اس کے دروازے پر لکھا ہوا ہے۔اِنَّ اللّٰـهَ قَدْ غَفَـرَ الْكِفلَ یعنی اللہ نے کفل کے گناہ معاف کر دیئے۔(ترمذی)

اس واقعہ میں اس بے کس و مجبور عورت کا حال ملاحظہ فرمائیں۔جس نے ابھی گناہ کیا نہیں مگر وہ بید مجنوں کی طرح کانپ رہی ہے۔یہ اللہ کی نافرمانی سے بچنا اور عذاب کا خوف محض اللہ تعالیٰ کے ڈر اور تقویٰ کی وجہ سے ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾ (الطلاق:۲) (اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کی راہ پیدا کرتا ہے۔)

مذکورہ عورت گناہ سے بچنا چاہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو نہ صرف اس گندے اور حرام کام سے نجات دی بلکہ اس کے حسن کردار کی وجہ سے کفل جیسے سیاہ رو اور گناہ گار کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہدایت نصیب فرمائی۔ اس کے علاوہ اس کی بخشش کا بھی قدرتی طور پر اعلان کر دیا گیا۔ تقویٰ انسان کو ایسے ہی جذبات واحساسات سے آگاہ کرتا ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی کی جرأت نہیں کر سکتا۔ ایسے ہی لوگوں کے گناہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ اور ان کے لیے اجر عظیم کی خوشخبری ہے۔

صحابہ کرام کے بعض واقعات سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہیں مسلمان ہونے کے بعد ان کو حسب سابق کچھ خواتین نے گناہ کی دعوت دی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ مثلاً مرثد بن ابی مرثد غنوی۔ یہ سب وہ کردار ہیں جو تقویٰ کی بدولت وجود میں آتے ہیں۔ اسلام ایسی ہی صورت کی توقع ہر مسلمان سے کرتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی دعائیں بھی اس سلسلہ میں مروی ہیں۔ مثلاً

(اللھم انی اسئالک الھدی والتقی والعفاف والغنی) (اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت' پرہیز گاری (تقویٰ) پاک دامنی اور (لوگوں سے) بے نیازی کا سوال کرتا ہوں۔)

(۳) غامدیہ عورت کا تقویٰ:

سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ غامدیہ کی ایک عورت آپ ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگی میں زنا کیا ہے۔ مجھے پاک کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے اس کو لوٹا دیا۔ جب دوسرا دن ہوا تو پھر حاضر ہو کر کہنے لگی کہ شاید آپ ﷺ مجھے ماعز بن مالک کی طرح لوٹانا چاہتے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں حاملہ ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ابھی نہیں۔ حتی کہ تو بچہ جنم دے لے پھر جب اس نے بچہ جنم دیا تو بچے کو کپڑے میں لپیٹ کر لائی اور کہا۔ اب تو میں بچہ جنم دے چکی۔ آپ ﷺ نے فرمایا جا اور اس کو دودھ پلا حتی کہ تو اسکا دودھ چھڑائے۔ جب اس نے دودھ چھڑایا تو بچے کو لے کر آئی۔ جس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا' کہنے لگی اس بچے کا میں

نے دودھ چھڑا دیا ہے۔ اب یہ کھانا کھاتا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بچہ لے کر ایک مسلمان کے حوالہ کیا۔ پھر اس کے متعلق حکم دیا کہ اس کے سینے تک گھڑا کھودا جائے اور لوگوں کو اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک پتھر لے کر آگے بڑھے اور اس کے سر پر مارا۔ خون کے چھینٹے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے منہ پر پڑے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو برا بھلا کہا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی اس بات کو سن لیا تو خالد رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ خالد رضی اللہ عنہ! یہ کیا بات ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ٹیکس لینے والا بھی ایسی توبہ کرے تو بخش دیا جائے۔ پھر آپ ﷺ نے نمازِ جنازہ کا حکم دیا۔ نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور پھر دفن کی گئی۔ (مسلم۔ کتاب الحدود)

مسلم کی ایک دوسری حدیث جو کہ عمران بن حصین سے مروی ہے کہ جب اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جانے لگی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بول اٹھے۔ اے اللہ کے نبی! آپ ﷺ اس کی نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں حالانکہ یہ زنا کی مرتکب ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا! اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس کی توبہ اہل مدینہ کے ستر آدمیوں میں تقسیم کی جائے تو سب کے لیے کافی ہوگی۔ کیا تو نے اس سے بہتر آدمی دیکھا یا پایا ہے جس نے اللہ کے لیے اپنی جان کو اللہ کے سپرد کیا ہو۔ (مسلم)

(۴) ماعز رضی اللہ عنہ بن مالک کا واقعہ:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص (ماعز رضی اللہ عنہ بن مالک اسلمی) آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اس نے آپ ﷺ کو آواز دی اور کہنے لگا۔ اے اللہ کے رسول! میں نے زنا کیا ہے۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ وہ دوسری طرف سے گھوم کر آپ ﷺ کے سامنے آ گیا اور عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! میں نے زنا کیا ہے۔ آپ ﷺ نے پھر اپنا رخ انور پھیر لیا۔ اس شخص نے چار مرتبہ بار بار سامنے آ کر اقرار کیا۔ اس طرح جب اس نے اپنے آپ پر چار مرتبہ گواہیاں دے دیں تو آپ ﷺ نے اسے پاس بلایا اور پوچھا کیا

تو مجنوں تو نہیں؟ وہ کہنے لگا۔ نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا۔ تیرا نکاح ہو چکا ہے۔ اس نے کہا۔ جی ہاں۔ پھر آپ ﷺ نے کہا۔ نکاح کے بعد صحبت کر چکا ہے۔ اس نے کہا جی ہاں۔ پھر آپ ﷺ نے کہا۔ شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا یا چھیڑ چھاڑ کی ہوگی یا نظر بد ڈالی ہوگی؟ اس نے کہا۔ نہیں یا رسول اللہ! پھر آپ ﷺ نے صاف صاف ننگے لفظوں میں پوچھا۔ کیا تو نے دخول کیا تھا؟ اس نے کہا۔ جی ہاں۔ تب آپ ﷺ نے صحابہ سے کہا اس کو لے جاؤ اور رجم کر دو۔ (بخاری۔ مسلم)

(۵) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں رات کو مدینہ کی گلیوں میں گشت کیا کرتے تھے تاکہ کوئی چوری چکاری نہ ہو۔ اگر کوئی پریشان حال' مصیبت زدہ ہو تو اس کی مدد کی جائے۔ وہ بجا طور پر یہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے امور کا نگران بنایا ہے تو ان کا کوئی حق تلف نہ ہو۔ کوئی ان کے ساتھ ظلم و زیادتی نہ کرے۔ کوئی رات کو اپنی غربت و افلاس کی وجہ سے بھوکا نہ سوئے۔

ایک رات دورانِ گشت کسی گھر سے وہ درجِ ذیل مکالمہ سنتے ہیں:

ماں: بیٹی! جلدی سے دودھ میں کچھ پانی ملا دو۔ ابھی صبح ہونے والی ہے۔

بیٹی: امی جان! دودھ میں پانی ملانے سے تو امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ منع کرتے ہیں۔

ماں: عمر رضی اللہ عنہ کونسا یہاں دیکھ رہے ہیں تم جلدی کرو جو میں کہہ رہی ہوں۔

بیٹی: امی! عمر رضی اللہ عنہ تو نہیں دیکھ رہے مگر اللہ تعالیٰ تو دیکھ رہے ہیں۔ ماں میں دودھ میں پانی نہیں ملاؤں گی۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

اس لڑکی کو یہ شعور اور احساس کس نے دیا کہ وہ یہ گناہ کا کام نہ کرے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے جو سمیع و بصیر ہے۔ یہ اللہ کا خوف اور تقویٰ ہی تھا جس نے لڑکی کو اس غلط کام سے روکے رکھا۔ کتب تاریخ میں ملتا ہے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ لڑکی کی اس سوچ اور فکر کی وجہ سے اتنے خوش ہوئے کہ بعد میں رابطہ کر کے اس لڑکی کو اپنی بہو بنا لیتے ہیں۔

قارئین! ذرا تیسرے اور چوتھے واقعے کو دوبارہ بغور پڑھیں۔ مذکورہ غامدی عورت

اور ماعز بن مالک اسلمی دونوں خود نبی اکرم ﷺ کے پاس آتے ہیں۔ آپ ﷺ پوری کوشش کرتے ہیں کہ یہ واپس چلے جائیں۔ سزا سے بچ جائیں اور جا کر خود ہی اللہ تعالیٰ سے استغفار کر لیں۔ مگر ان لوگوں کو آخرت کے عذاب کی اتنی فکر تھی کہ دنیا کے عذاب یعنی رجم کو قبول کر لیا۔ تاکہ آخرت کے عذاب سے بچ جائیں۔ کیونکہ وہ عذاب تو جان کو چھٹ کر رہ جانے والا ہے۔ یہ اللہ کے خوف اور تقویٰ کے واضح مظاہر ہیں۔ جب انسان کے دل میں تقویٰ پیدا ہو جاتا ہے تو وہ مالی یا جانی نقصانات کو تو گوارا کر لیتا ہے مگر کسی بھی طرح اپنے رب کو ناراض نہیں کرنا چاہتا۔ وہ رب سے ملاقات ایسی حالت میں کرنا چاہتا ہے کہ اس کا رب اس سے راضی ہو۔

نفس انسان کی اصلاح کے لیے تقویٰ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ جس دل میں تقویٰ آ گیا سمجھ لو وہ کامیاب ہو گیا۔ اس لیے کہ تقویٰ اسے گناہوں اور اللہ کی نافرمانیوں سے روک کر رکھے گا۔ نیکی اور ثواب کے کاموں پر آمادہ عمل کرے گا۔ اگر کسی وقت وہ غلطی سے گناہ کی لپیٹ میں آ بھی جاتا ہے تو جب تک اس کا کفارہ نہیں ادا کر لیتا یا اس کی سزا نہیں بھگت لیتا اس وقت تک اسے چین ہی نہیں آتا۔

صحابہ کے دلوں میں یہ تقویٰ صحیح معنوں میں جاگزیں ہو گیا تھا تو اس نے ان کی زندگیوں کی کایا پلٹ دی۔ وہ راہزن سے رہبر بن گئے۔ خوف الٰہی کی لہر نے تمام معصیتوں کو نگل لیا' گناہوں کی ظلمتوں کا خاتمہ کر دیا اور ہر طرف خیر ورشد کی روشنی پھیل گئی۔ آج ہمارے معاشرے میں جو ہر طرف برائی نے ڈیرے جمائے ہوئے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ تقویٰ اور خوفِ الٰہی کا فقدان ہے۔ اس لیے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہر دل میں خوفِ الٰہی کی شمع فروزاں کی جائے تاکہ گناہوں سے بچنے کا جذبہ عام ہو۔ انسان حدودِ الٰہی کو توڑنے اور اخلاقی ضابطوں کو پامال کرنے سے باز رہیں۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے تاکید فرمائی:

(اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُ مَا كُنْتَ.) (ترمذی) (تو جہاں کہیں بھی ہو۔ اللہ سے ڈرتا رہ۔)

مراجع ومصادر

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	نام ادارہ
1	تیسیر القرآن	مولانا عبدالرحمٰن کیلانی	مکتبۃ السلام وسن پورہ لاہور
2	مترادفات القرآن	مولانا عبدالرحمٰن کیلانی	مکتبۃ السلام وسن پورہ لاہور
3	اسلامی معاشرت	حافظ صلاح الدین یوسف	مکتبہ دارالسلام۔لاہور
4	اسلام میں داڑھی کا مقام	ابومحمد بدیع الدین شاہ راشدی	معسکر ام القریٰ مظفر آباد
5	تقویٰ کے ثمرات	مولانا عبداللہ رفیق صاحب	مکتبہ رشیدیہ سلفیہ
6	اسلامی خطبات	مولانا عبدالسلام بستویؒ	مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ' لاہور
7	قبر کا بیان	محمد اقبال کیلانی	حدیث پبلی کیشنز' شیش محل روڈ لاہور
8	دل کی خرابیاں (پمفلٹ)	مولانا عبداللہ دانش	جامع مسجد رحمانی' پونچھ روڈ' لاہور۔
9	مراءۃ القرآن	مولانا عبدالحیٰ کیلانیؒ	مکتبہ السلام وسن پورہ لاہور

ایک آدمی کسی بزرگ کے پاس گیا اور کہنے لگا: مجھے کچھ نصیحت کیجیے۔ مجھے بتائیے کہ زندگی کو کیسے گناہوں سے پاک کروں؟ کس طرح اپنے سرکش نفس کو رب کا فرمانبردار بنا کر آخرت کی کامیابی حاصل کرسکوں؟

بزرگ نے فرمایا: چار باتیں ہیں اگر ان پر قابو پالو تو سمجھو کامیابی یقینی ہے۔

1: جب کوئی گناہ کرے یا اللہ کے حکم کی نافرمانی کرے تو پھر اس کا رزق مت کھا۔

2: جب کوئی گناہ کرنا چاہے تو رب کی زمین سے نکل جا۔ رب کی زمین پر اس کی نافرمانی جائز نہیں۔

3: جب کوئی گناہ کا ارادہ کرے تو ایسی جگہ چلا جا جہاں رب تعالیٰ تمہیں نہ دیکھ سکے۔

4: جس وقت ملک الموت تیرے پاس روح قبض کرنے آئے تو اسے کہہ: ذرا ٹھہر جا، میں اپنے عزیزوں سے رخصت ہولوں اور اپنے ساتھ زادراہ لے سکوں جو آخرت میں میری نجات کا سبب بنے۔

اگر ان چار باتوں پر عمل کرسکتا ہے تو کر، وگرنہ کامیابی کے لیے یقیناً بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔

﴿فان خیر الزاد التقویٰ﴾ (البقرہ : 197)

''اس توشۂ آخرت کا سامان کر جو یقینی کامیابی کا ذریعہ ہے۔''

تیسیر القرآن (اردو) : سلفی منہج کے عین مطابق، منکرین حدیث اور دیگر عقائد باطلہ کا مکمل رد، اور تمام آیات کی صحاح ستہ کی صحیح احادیث کی روشنی میں تفسیر۔ (4 جلدیں)

مترادفات القرآن : مترادفات القرآن کے ذیلی فرق کو مستند کتب لغت اور قرآنی آیات سے واضح کیا گیا ہے۔ اس موضوع پر قرآن کریم کی اردو میں پہلی لغت ہے۔

آئینہ پرویزیت : پرویزیت کے جواب میں ایک مدلل اور لاجواب کتاب ہے۔

شریعت وطریقت : تصوف کی تاریخ پر بحث کی گئی ہے، نیز وحدت الوجود، وحدت الشہود اور حلول کیا ہے؟ اور طریقت کا باطنی نظام کیا چیز ہے؟ اور کیا طریقت شریعت کے تابع ہے یا اس کے متوازی اور اس سے متصادم ایک الگ دین ہے؟

الشمس والقمر بحسبان : اس کتاب میں علم ہیئت، ہجری اور عیسوی تقویم میں دن معلوم کرنے کے طریقے اور 622ء (1ھ) سے لے کر 2252ء (1680ھ) تک کی تقابلی تقویم پیش کی گئی ہے۔

خلافت وجمہوریت : جمہوریت عصر حاضر کا سب سے بڑا بت ہے۔ کتاب وسنت سے ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام اور جمہوریت دو متضاد چیزیں ہیں جن میں اتحاد ناممکن ہے۔

تجارت کے احکام ومسائل : لین دین کے معاملات میں کئی ایسے امور شامل ہو گئے ہیں جو شرعاً ناجائز ہیں اکل حلال کی اہمیت واضح کرنے کے بعد دور حاضر کے جدید معاشی مسائل پر کتاب وسنت کی روشنی میں محاکمہ کیا گیا ہے۔

عقل پرستی اور انکار معجزات : قرآن مجید میں مذکور معجزات کا عقل کی بنیاد پر رد کرنے والوں کی تاویلات اور ان کے عقائد پر بحث کی گئی ہے۔

عذاب قبر اور سماع موتیٰ : متعلقہ موضوع پر نہایت اہم اور معلوماتی کتاب ہے۔ مختلف مکاتب فکر کے افکار ونظریات کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔

احکام ستر وحجاب : اس کتاب میں تہذیب حاضر کا پس منظر، ستر وحجاب کا فرق، چہرہ اور ہاتھوں کا پردہ اور مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات پر بحث کی گئی ہے۔

اسلام میں دولت کے مصارف : اس میں زائد از ضرورت دولت کی جائز اور ناجائز صورتیں نیز جاگیرداری کی کہاں تک گنجائش اور مزارعت کن صورتوں میں جائز ہے، کی تفصیل ہے۔

نبی اکرم بحیثیت سپہ سالار : اس میں سیرت طیبہ کا جہادی پہلو اجاگر کیا گیا ہے۔

نبی اکرم ۔ پیکر صبر و ثبات : اس میں سیرت طیبہ کا دعوتی پہلو بیان کیا گیا ہے۔

یسئلونک : نبی اکرم ﷺ سے کئے گئے سوالات جو قرآن مجید اور احادیث میں وارد ہیں اُن کی ترتیب اور تشریح

ناشر: مکتبہ السلام سٹریٹ 20 وسن پورہ لاہور
فون: 7280943

Designed & produced by: DARUSSALAM Ph: 042-7240024 - 7232400